خواب کے جزیرے کی جستجو

عفت سحر پاشا

طاری کا فون سننے کے بعد میرے لیے کراچی میں رکنا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ پہلی فلائیٹ سے میں لاہور پہنچ گیا۔ شام ہو رہی تھی میں ٹیکسی سے نیچے اترا تو میرا سر چکرانے لگا۔ میں نے بہ عجلت ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کیا۔

پورا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ ڈھولک کی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو بے پناہ شور کے ساتھ میرا استقبال کیا گیا۔

"ارے واہ۔ دلہا میاں تو ایک ہی بلاوے پر دوڑے چلے آئے۔"

"امی کدھر ہیں؟" میں اس وقت کسی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔

"لگتا ہے دماغ کھسک گیا ہے پوچھنا کسی اور کے متعلق ہے پوچھ کسی اور کو رہے ہیں۔" میری دور پار کی کزن مڑ کر باقی سب سے مخاطب ہوئی تو میں سلگ اٹھا۔ ایک تو پہلے ہی ذہنی حالت تباہ ہو رہی تھی اوپر سے یہ خوامخواہ کے مذاق مجھے زہر لگ رہے تھے۔

"پریشان مت کریں مجھے..... مجھے ان سے بات کرنی ہے۔" میں بمشکل رسانیت کا مظاہرہ کر پایا تھا۔

"ہم کیا پریشان کریں گے۔ پریشانی تو ابھی آئے گی۔" نیلو نے آہ بھری تو میں جھنجلا گیا۔

"کہاں پھنس گیا میں....." تبھی طاری ہنستا ہوا چلا آیا۔

"بالکل صحیح پھنسے ہیں بھائی۔"

"بکواس مت کرو۔" میں چڑ کر کہتے ہوئے اس کے گلے لگ گیا۔

"آپ کو تو بکواس ہی لگے گی۔ ہم سے پوچھیں پریوں میں گھرنے کا خیال ہی جن کے لیے۔ ہاہا۔"

"پریوں میں گھرنے کا خیال واقعی کسی "جن" ہی کو آ سکتا ہے۔" وہ دو بدو برجستگی سے بولی۔ طاری انہیں گھورتے ہوئے مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے طاری؟" تنہائی ملتے ہی

پشت پر جلد

"میری بے عزتی اور کیا ہوتا ہے۔"

وہ بے توجہی سے بولا تو میں بھڑک اٹھا۔

"شٹ اپ..... کوئی فضول بات کی تو ایک ہاتھ جڑ دوں گا۔"

"او کے برادر!" وہ شرافت کے جامے میں آ گیا کیوں کہ میں اپنی تین سالہ بڑائی کا مظاہرہ کبھی کبھار ہی کیا کرتا تھا۔

"میں اس ڈرامے سے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" میں اندر سے سلگ رہا تھا اس لیے میرے لہجے میں محسوس کیے جانے والی تلخی تھی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں..... یہ سب امی کی خوشی ہے۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔ تو میں غم و غصے سے بے حال اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ان کی خوشی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتی آئی ہیں۔"

شدت جذبات سے میرا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ طاری کچھ نہیں بولا۔

"اور اب..... اب یہ میری قربانی کس خوشی میں دی جا رہی ہے؟" یہ وہی "ماموں صاحب" ہیں ناں جو لاکھوں میں کھیلتے تھے مگر انہوں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اس گھر کا سربراہ نہیں رہا۔ ان کی بہن بیوہ ہو گئی ہے تو فاقے کون دور کرے گا؟ کبھی انہوں نے ہمارے گھر کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کی فقط اس لیے کہ ہماری ماں نے ان کی مرضی کے رشتے کی بجائے اپنی پسند کی شادی کو اولیت دی تھی۔ مگر ان کا یہ عمل اس قدر سنگین تو نہیں تھا کہ انہیں تنہا چھوڑ دیا جاتا۔ ہماری ماں کا ان کے علاوہ اور کون تھا۔ مگر انہوں نے خود کو ہمارے لیے جیتے جی مار دیا۔ کسی کا بھی ہم پر کوئی احسان نہیں۔ ہماری ماں نے خود محنت کر کے ہمیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ اس نے اپنے خون سے آبیاری کر کے ننھے پودوں کو تناور درخت بنایا ہے تو اب وہ اس کی چھاؤں اور پھل دوسروں کو دان کرنے لگی ہیں۔ کس لیے امی ان پر اپنا سب کچھ نچھاور کر رہی ہیں؟ اگر اس شخص کی بیٹی کی ڈولی کوئی اور نہیں لے گیا

تو ہم کیا کریں؟ لاکھوں چاہنے والے ہوں گے اس کے کسی کو بھی پکڑ کر لے جاتے مگر..... ہماری ماں کو تو شوق ہے بس بھائی کے ساتھ مل بیٹھنے کا۔"

میں مٹھیاں بھینچے اشتعال سے سرخ چہرہ لیے متواتر بول رہا تھا مگر اندر پھیلا اضطراب تھا کہ کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ان پر مشکل وقت آن پڑا تھا اس لیے امی نے۔" طاری دھیمے لہجے میں کہنے لگا تو میں طیش میں آ گیا۔

"جب ہم پر مشکل وقت پڑا تھا تو وہ لوگ صرف تماشا دیکھتے رہے تھے انہیں بھی یہی کرنا چاہئے تھا صرف تماشا دیکھتیں۔"

میں نفرت سے پر لہجے میں بولا تو سدا کے نرم مزاج طاری نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ریلیکس..... بھائی ماضی کو بھول جاؤ اب۔"

اس کی بات پر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اور میں چلا اٹھا۔

"کیسے..... کیسے بھول جاؤں؟ میں نے اپنی ماں کو ساری ساری رات جاگ کر لوگوں کے کپڑے سلائی کرتے دیکھا ہے۔ اور انہوں نے کبھی پلٹ کر اس جائیداد میں سے ایک پیسہ بھی نہیں مانگا جس میں وہ حصہ دار تھی۔ کیا نہیں کیا اس ہماری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے؟ معمولی معمولی لوگوں کی باتیں سنیں اس نے صرف ہماری خاطر۔ میں نے اسے کبھی پرسکون نیند لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ نازوں کی پلی ہر کروٹ پر کراہتی تھی۔ میری ماں تو کب سے چین کی نیند سو بھی نہیں پائی یار..... اور تو کہتا ہے کہ میں بھول جاؤں وہ سب..... کیسے بھول جاؤں وہ سب؟"

میری نظر دھندلانے لگی۔ گلا رندھ گیا اور آواز حلق میں اٹکنے لگی۔ طاری مجھ سے لپٹ گیا۔

"میں مانتا ہوں بھائی..... مگر ہماری ماں بہت عظیم ہیں۔ انہوں نے کبھی ماضی کو یاد ہی نہیں رکھا۔ آپ دیکھنا وہ اتنے عرصے کے بعد کس قدر خوش اور مطمئن ہیں۔ وہ بہت خوش ہیں..... بہت۔" وہ بہت یقین سے کہہ رہا تھا۔ میں اندر تک ٹھنڈا پڑنے لگا۔ اسے پرے کر کے میں نے بے تاثر انداز میں پوچھا۔ "امی کدھر ہیں؟"

"وہ اپنے کمرے میں ہیں۔ مگر بھائی....." وہ کہتے ہوئے رک سا گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے یہی کہ ماں کی خوشی کا خیال رکھنا۔ اس کی آنکھوں میں جلتی جوت کو بجھا مت دینا۔ مگر میرے اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ کو بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا اس لیے یہ سب کہنے کی اس کو ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن میں اس کے کہے بنا ہی سمجھ گیا۔ میں خود پر ضبط کرتا ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے بستر پر جانے کیا کچھ بکھیرے بیٹھی تھیں مجھے دیکھ کر کھل اٹھیں فوراً" میرا ماتھا چوم کر گلے سے لگایا۔

"میں صدقے جاؤں..... تم کب آئے میری جان؟" ان کے لب و لہجے سے خوشی جھلک رہی تھی میں کچھ کہے بنا ان سے لپٹا کھڑا رہا۔ وہ ماں تھیں میری رگ رگ سے واقف تھیں فوراً" میرے انداز پہچان گئیں۔ سو میرا دھیان بٹانے کے لیے بستر پر پڑے ڈبے کھول کھول کر مجھے دکھانے لگیں۔

"یہ دیکھو..... تمہاری دلہن کے لیے میں خود خریداری کر رہی ہوں۔" وہ بہت سرشاری سے کہہ رہی تھیں میں ایک ٹک دیکھے گیا۔

ایک مدت کے بعد میری ماں خوش ہوئی تھی مگر.....

کتنی بڑی قربانی کے عوض.....

مگر نقصان تو میرا ہو رہا تھا میں بے چین ہو اٹھا۔

"کیوں کر رہی ہیں آپ یہ سب؟"

اپنی خوشی میں مگن وہ ٹھٹکیں پھر جانچتی نظر میرے چہرے پر ڈالی اور بڑے سکون سے پوچھنے لگیں۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟"

"ہاں ہے اعتراض..... ہمارے مسائل تو کبھی انہوں نے نہیں دیکھے اور آپ کو بھتیجی کی اتنی محبت چڑھی کہ بیٹا ہی قربان کر ڈالا؟" میں بے حد تلخ ہو رہا تھا

مگر وہ طمانیت سے بولیں۔

"تم لوگ ان کی ذمہ داری نہیں تھے۔ ہر ایک کو اپنے مسائل خود حل کرنے چاہئیں۔"

"ان کی بیٹی بھی خالصتاً" ان کا مسئلہ ہے۔ وہ ہماری ذمہ داری نہیں۔" میں بہت سلگ کر بولا۔ حالانکہ جی چاہ رہا تھا صاف کہوں کہ مرنا پسند ہے مگر اس شخص سے رشتہ جوڑنا نہیں۔

"تابی تم انکار کرنے آئے ہو تو صاف کرو۔"

وہ فوراً" روہانسی ہونے لگیں۔ اور میں بے بس۔ پھر بھی میں سختی سے بولا۔

"آپ جانتی ہیں میں اس شخص سے کتنی نفرت کرتا ہوں۔"

جواب میں وہ کچھ بولی نہیں رونے لگیں اور یہی میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"امی پلیز...!" میں نے فوراً" انہیں بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"اتنی فضول باتیں کرنے لگے ہو تم۔ میں نے تو کبھی یہ سب نہیں سکھایا۔ جانے کہاں سے سیکھ گئے ہو یہ کینہ پروری۔"

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولیں تو میں تلخ ہونے لگا۔

"جن رشتہ داروں کو آپ اپنی اولاد پر ترجیح دے رہی ہیں انہیں نے سکھایا ہے ہمیں یہ سب۔ جو ہمیں کبھی سہارا دینے نہیں آئے مگر خود پر پڑتے ہی بھاگتے چلے آئے۔"

"امی نے مجھے جھٹک دیا۔

"تابی آخری بار تجھے سمجھا رہی ہوں۔ میں بھائی صاحب پر احسان نہیں کر رہی۔ وہ میرے بھائی ہیں اور خون کبھی خون سے جدا نہیں ہوتا۔ خدا نے تمہیں وسیلہ بنایا ہے تعلقات جوڑنے کا تو ناشکری کیوں کر رہے ہو۔"

انہوں نے اپنا مخصوص جملہ بولا جس سے میں بے حد چڑتا تھا۔

"اچھا نہیں کہ ہم آپس میں مل بیٹھیں گے۔"

"اور میں چاہے برباد ہو جاؤں۔" میں زچ ہو گیا اور سب ادھر ادھر پھینک ان کے بستر پر گر پڑا۔ وہ تو میرے اندر اتری ہوئی تھیں اب بھی حالت زار کیوں نہ جان پاتیں۔ میرے پاس بیٹھ کر میرے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"مجھے پتا ہوتا کہ تو اتنا غصہ کرے گا تو میں کبھی بھی بھائی صاحب کو حامی نہ بھرتی۔" وہ رونے لگیں تو میں بے اختیار سیدھا ہو بیٹھا۔

"امی پلیز! کیا کہہ رہا ہوں میں....." میں حد درجہ بے بسی کا شکار ہونے لگا۔ ذہنی و جذباتی پراگندگی اپنی جگہ مگر امی سے محبت ہر شے پر حاوی تھی۔ وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولیں۔

"تو پھر تو خوش کیوں نہیں لگتا؟"

"اب بھنگڑا ڈالنے سے تو رہا۔"

میں نے بمشکل لہجے کو بشاش بنایا۔ یوں بھی میں سفر سے آیا تھا نیند... زوروں پر تھی۔ پہلے اس خیال سے نیند اڑی ہوئی تھی کہ مصیبت آن پڑی تھی۔ اب جب معلوم ہو گیا تھا کہ کچھ نہیں ہو سکتا تو پھر خود کو زیادہ تکلیف دینا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اور یوں بھی دکھتے دماغ کو سکون دینے اور کچھ سوچنے کے لیے نیند لینا بہت ضروری تھا۔

"بھنگڑا نہ ڈالو۔ مگر دوسروں کے ساتھ ہنسو بولو جیسی تمہاری عادت ہے۔" وہ پیار سے بولیں تو میں اندر ہی اندر جل کر رہ گیا۔

"ابھی میں آرام کروں گا۔ جب اٹھوں گا تب ہنس بول لوں گا۔ اور عادل لوگوں کو مت بتایئے گا میرے آنے کا۔"

میں نے انہیں سونے سے پہلے تاکید کی... نیند کا میں بہت برا تھا اس لیے بے خبر ہونے میں مجھے دیر نہیں لگی۔

مگر میری آمد کی خبر چھپی نہیں رہ سکی اور وہ چاروں آدھمکے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ شاید مجھے جھنجھوڑا جا رہا تھا۔

"اٹھیے سرتاج... ان گوڈے رائیز ہو گیا

بے۔" ان کے قہقہوں نے نیند بھگانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ میں بری طرح جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا تکلیف ہے تم لوگوں کو؟" میں دہاڑا مگر دوسری طرف ڈھٹائی کی انتہا تھی۔

"یہ ریہرسل بعد میں نہیں ہو سکتی؟" فیصل شرارت سے بولا تو مجھے ہنسی آ گئی۔

"کمینے۔۔۔" کھینچ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"بات کیا ہے شادی سے پہلے ہی ساری نیندیں پوری کر رہے ہو؟" عاطف معنی خیز انداز میں بولا تو میں اسے گھورنے لگا۔

میں ان سب کے تیور اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ سب چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں تھے۔ ہمیشہ وہ سب میرے مذاق کی زد میں رہتے تھے اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ اب وہ سب مجھے نہیں چھوڑنے والے۔۔۔ مگر میں انہیں حاوی ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

"کیوں شادی سے پہلے سونا منع ہو جاتا ہے کیا؟"

"نہیں۔۔۔ مگر بعد میں ضرور ہو جاتا ہے۔" بہت خباثت سے جواب دیا گیا۔ میں تپ اٹھا۔

"تم لوگ بہت خبیث ہو۔ اٹھو یہاں سے اگر امی نے تمہاری بکواس سن لی تو جوتے لگائیں گی۔"

ان سب کو دھکیل کر میں نے وہاں سے نکالا اور اوپر اپنے کمرے میں لے آیا۔ ان چاروں نے کھل کر دھما چوکڑی مچائی تھی۔ میں بس ان کی شرارتوں پر ہنستا رہا۔

فیصل دلہن بننے کی ایکٹنگ کر رہا تھا اور عادل اس کی رونمائی کرتے ہوئے مجھے بتا رہا تھا کہ مجھے یہ ڈائیلاگز یاد رکھنے چاہئیں۔

"ایسی بیوی کو تو فوراً" سے پیشتر طلاق دینے کو جی چاہتا ہے۔"

میں نے کہا تو کمرہ سب کی ہنسی سے گونج اٹھا۔

♣ —— ✷ —— ♣

مہندی کی تقریب بہت شان دار طریقے سے ہوئی تھی۔ لڑکی والے آ چکے تھے۔ میں دوستوں کے جلو میں آ کر چوکی پر بیٹھا۔ لڑکیوں کے جھرمٹ میں آنے کو میں تیار نہیں تھا۔ یاروں نے بڑی پھبتیاں کسیں۔

"ابھی سے وفا شعاری شروع کر دی۔"

"اوئے کیا کہنے بھئی۔۔۔ ابھی سے سب سے دور بھاگ رہا ہے۔" میں ان سب کو نظر انداز کرتا پُراعتماد انداز میں بیٹھا تھا۔ مووی لائٹ میرے سراپا پر تھی۔

"یار کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔" میں نے عاطف سے سرگوشی کی تو وہ ہنسا۔

"سنا ہے جو بھی اس چوکی پر بیٹھتا ہے خود کو کچھ کچھ الو سمجھنے لگتا ہے۔" اس کی بے ہودگی پر میں اسے دل کھول کر گھور بھی نہیں پایا تھا کہ سب لڑکیاں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں۔ میں سنجیدہ ہو گیا اور میرے یار مستعد۔ تیل مہندی کی رسم شروع ہو گئی۔ خصوصاً" تیل تو میری چڑ تھا۔

"آپ ہنستے نہیں ہیں کیا؟" کسی کو میری سنجیدگی نہیں بھائی تھی۔ بے تکلفی سے کہا گیا۔

"بلاوجہ ہنسنے والے پاگل ہوتے ہیں۔" عاطف بردباری سے بولا تو اس نے سمجھ داری سے سر ہلایا۔

"کبھی آدھے گھنٹے سے آپ مسلسل ہنس رہے ہیں۔" وہ کافی تیز لڑکی تھی اس کی بات پر قہقہہ پڑا۔

"بلاوجہ نہیں ہنس رہا تھا۔ کچھ شکلیں ہی ایسی ہوتی ہیں جن کو دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔"

عاطف اس کے چہرے پر نظریں جما کر برجستگی سے بولا تو باقی سب "حواریوں" نے دل کھول کر داد دی۔

تب انہوں نے اندر کی جلن اس طرح نکالی کہ خوب تیل میرے سر میں انڈیلنا شروع کر دیا۔

"دیکھئے آپ تیل لگائیے تیل سے نہلایئے مت۔" فیصل نے میری کنپٹی سے بہتے تیل کو دیکھتے ہوئے تاسف سے کہا۔

"چلیں اسی بہانے آپ کے دوست نہالیں گے۔" دوسری بڑی معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر بولی تھی۔

"ایسے بہانوں کی ضرورت آپ کو پڑتی ہوگی۔ ہمارا یار تو شیر ہے شیر۔" عادل نے تفاخر سے کہا تو وہ چمک کر بولی۔

"آپ کو ذرا دھیان سے بولنا چاہیے۔ شیر تو جانور ہوتا ہے۔" عادل باقی سب کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ یہ سب ان سے تیز تھیں مجال تھی کہ چپ چاپ بات سہہ لیتیں۔ ان کی درگت پر مجھے ہنسی آنے لگی۔

"تمہاری دوست تو پری ہے۔" وہ بہت شرارت سے کہہ رہی تھی۔ فیصل میدان میں اترا۔

"ہمارا دوست بھی کسی۔۔۔"

"جن سے کم نہیں۔" بہت فراخ دلی سے جملہ مکمل کر دیا گیا۔ زوردار قہقہے پڑے عاطف اور سعود نے فیصل کو پیچھے گھسیٹ لیا۔

"اس سے زیادہ عزت وہ تیرے بغیر بنا رہا ہے۔"

اسی ہنسی مذاق میں رسم مکمل ہوگئی۔ میرے دوستوں کے بقول میرے ماموں اور ممانی تو اتنا خوبرو اور قابل داماد پا کر اترائے پھر رہے تھے۔ جب کہ میں تنا تنا چہرہ لیے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ رسم ختم ہوتے ہی میں نے سعود کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"یار تیری سالیاں تو بڑی تیز ہیں۔" فیصل نے بیڈ پر گرتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا تو میں تھکا تھکا سا کرسی میں دھنس گیا۔

"کل کا دن ہمارا ہے ناک کی لکیریں نہ نکلوائیں تو پھر کہنا۔" سعود اکڑ کر بولا تو فیصل سہم گیا۔

"اب ناک سے لکیریں بھی نکالنا پڑیں گی؟"

"ہمیں نہیں۔۔۔ ان سب کو۔" گھور کر فیصل کو دیکھا۔

"کیوں۔۔۔ تم سے لون لینا ہے انہوں نے؟" عاطف کا لہجہ استہزاء سے پر تھا۔

"لون نہ سہی۔۔۔ کل نیگ تو مانگیں گی ناں۔" اس کی آنکھیں شرارت سے چمکیں۔ عادل پھڑک کر سیدھا ہوا۔

"واہ یہ ہوئی نا عقل کی بات۔ رلا کر نہ چھوڑا تو کہنا۔"

"اوئے دھیان سے۔" میں نے بے اختیار تنبیہہ کی تو وہ سب ہنسنے لگے۔

"یہ تو گیا کام سے۔" میں نے چڑ کر عادل کے شانے پر مکا جڑا تو وہ "ہائے سرتاج" کہہ کر بیڈ پر گر گیا۔ مجھے اس کی ایکٹنگ پر ہنسی آگئی۔

"اوہ جان من! کیا بہت زور سے لگ گیا؟" میں نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے اسی کے جوتوں سے جرابیں نکال کر اس کی ناک پر رکھیں۔ وہ بھڑک اٹھا۔

"یہ صریحا" قتل کی سازش تھی۔

"آلہ قتل بھی تیرا ہی تھا۔" سعود نے ہنستے ہوئے اس کی جرابوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اچھا اب میں سو لوں؟" میں نے اکتا کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ آج سو لو اچھا ہے تمہارے لیے۔" فیصل بھرپور شوخی سے بولا تو میں نے جھینپ کر اسے تکیہ دے مارا۔

اگلے روز برات جانے کو تیار کھڑی تھی۔ عادل کی بیوی بھی چونکہ موجود تھی اس لیے وہ مستقل اس سے باتوں میں مگن تھا۔ ہماری طرف نظر ہی نہیں کر رہا تھا۔

"اوئے ہوئے۔۔۔ ادھر تو حسن امڈ پڑ رہا ہے۔" طاری شوخی سے کہتا میرے گلے لگ گیا۔

وی آئی پی ہال میں بارات کا استقبال واقعی وی آئی پی انداز میں کیا گیا۔ لڑکیوں نے تاک تاک کر چہروں پر پھول مار کر استقبال کیا۔

سب سے پہلے نکاح کا فرض پورا کیا گیا۔ اس کے بعد مجھے اسٹیج پر لا کر بٹھایا گیا تو دودھ پلائی کی رسم شروع ہوگئی۔"

"پچاس ہزار۔۔۔ پچاس ہزار۔"

میں نے ایک گھونٹ بھرنے کے بعد گلاس سعود کو تھما دیا تھا۔ اس کے منہ سے دودھ چھلکا۔

"ابھی کچھ گھنٹے پہلے تو یہ بحساب چار روپے پاؤ اور سولہ روپے کلو تھا اب اچانک قیمتیں آسمانوں تک پہنچ گئیں۔" تحیر میں گھر کر کہا گیا۔

"یہ خاص دودھ تھا محترم! اسے پینے کی خاطر ہیز

بیلنے پڑتے ہیں۔"

سبز لباس والی بہت ادا سے بولی تو فیصل نے اسے خاصی پسندیدگی سے دیکھا۔

"مگر ہمارے یار نے تو کبھی پاپڑ نہیں بیلے۔" سعود نے گلاس واپس پکڑایا جو فیصل عادل اور عاطف کے ہاتھوں سے ہوتا آیا تھا۔

"چلو بعد میں سہی..." وہ بے پروائی سے بولی پھر چٹکی بجائی۔ "نکالیے پچاس ہزار۔"

"پانچ ہزار کافی ہیں۔" فیصل نے سنجیدگی سے کہا جیسے وہ لے ہی لیں گی۔

"جی نہیں پچاس ہزار۔"

"اس دودھ میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ اس کے پچاس ہزار دیے جائیں۔" عقل مندانہ سوال۔

"اس میں وہی بات ہے جس کے آپ پانچ ہزار دے رہے ہیں۔" برجستہ جواب اور سب کی ہنسی۔

"چلیں یہ لیں کیا یاد کریں گی۔" گہری سانس لے کر فیصل نے جیب سے لفافہ نکال کر تھمایا۔

"اتنا ہلکا..." وہ جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کھول کر دیکھا تو دس کا نوٹ نکلا۔ سبز لباس والی نے اپنے اوپر سے وار کر فیصل کو تھمادیا اور تنک کر بولی۔

"یہ کسی فقیر کو صدقہ دے دیجیے گا۔"

فیصل نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے مجھے اشارہ کیا میں نے اطمینان سے ہاتھ سعود کی طرف بڑھایا اس نے فوراً" چیک بک اور بال پوائنٹ نکال کر مجھے تھمایے میں نے رقم چیک پر گھسیٹی اور پھاڑ کر ان کے حوالے کردیا۔ اس تمام مرحلے سے سب بڑی متاثر ہوئیں۔

"اوہو۔ ایک لاکھ کا چیک۔" ایک دم ہی شور و غوغا مچا تھا۔

"ایسے نیک کام ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔" عاطف معنی خیزی سے ہنسا۔ تبھی وہ دوبارہ پلٹیں۔ انداز جارحانہ اور تیور خراب۔

"یہ کیا ہاشش بھائی چیک پر سائن تو آپ نے کیے ہی نہیں۔" تیوروں سے ہٹ کر آواز صدمے سے پُر تھی۔

"نیک کاموں میں یہ اپنا نام ہمیشہ صیغہ راز میں رکھتے ہیں نمود و نمائش کے قائل نہیں ناں۔" فیصل نے بہت معصومیت دکھائی تو وہ کچا چبا جانے والے انداز میں اسے گھورنے لگیں۔

"سبحان اللہ کیا عاجزی ہے۔ سنا ہے کہ نکاح بھی نیک کام ہے اور اس میں بھی سائن کرنے پڑتے ہیں اب اللہ خیر ہی کرے۔"

بے حد طنزیہ لہجہ اور برجستہ انداز تھا۔ زور دار قہقہہ پڑا۔

فیصل سر کھجانے لگا... بے حد بحث و تکرار کے بعد دس ہزار پر بات ختم ہوئی۔

"لعنت ہے تم لوگوں پر۔" میں نے گھور کر انہیں دیکھا تو وہ دبک کر رہ گئے۔

عادل کی شادی پر میں نے ایسی ایسی لڑائیاں لڑی تھیں کہ کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا اور وہ سب ذرا ذرا سی لڑکیوں سے سہمے ہوئے تھے۔ دلہن کو لا کر میرے پہلو میں بٹھا دیا گیا تھا۔ میں اس کے استقبال میں احتراماً" کھڑا تو ہوا کہ یہ رسم دنیا تھی مگر میں نے اک نگاہ بھی اسے نہیں دیکھا۔

ممانی جان کی اتراہٹ اور ماموں جان کی اکڑاہٹ میری ٹینشن بڑھا رہی تھی۔ عادل نے مستقل میری شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا تھوڑی دیر کے بعد کوئی نہ کوئی پھلجڑی چھوڑ کر میری ذہنی کیفیت کو اعتدال میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے... یہ سب کام انہی کے اشارے تھے۔ ماموں جان نے مجھے قیمتی گھڑی اور انگوٹھی پہنائی جو میں نے اسی وقت فیصل کے حوالے کردی۔ طاری اور امی کو بھی انہوں نے یونہی "نوازا"۔ تھوڑی دیر کے بعد سب لڑکیاں پھر اسٹیج پر موجود تھیں۔ سبز لباس والی جس کا نام نشاء تھا اچانک جھکی... میں بڑے سکون سے بیٹھا تھا اس وقت گڑبڑایا جب مجھے اپنی دائیں ٹانگ گرفت میں محسوس ہوئی میں آگے کو جھکا تو وہ سب الرٹ ہوگئے۔

"کیا ہوا؟"

"ایک اور ٹیکس۔" میں نے گہری سانس لی۔ انہوں نے باقاعدہ جھک کر دیکھا میری ٹانگ دوپٹے سے باندھ دی تھی۔

"میں یہاں سے بھاگ نہیں رہا۔"

میں نے یقین دلایا مگر ادھر گہری بے یقینی تھی۔ دوبارہ سے مجھے کنگال کیے بغیر انہوں نے میری ٹانگ آزاد نہیں کی۔ رخصتی کا وقت آنے تک دونوں پارٹیوں میں "اچھی خاصی" دوستی ہو چکی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ نقصان سراسر میرا ہی ہوا ہے۔

میں یعنی تابش رضوی۔ آج اپنے ہی بیڈ روم کے باہر کھڑا تھا۔ اس کمرے میں میں بلا روک ٹوک بلا جھجک دندناتا پھرتا تھا مگر اس وقت عجیب سی الجھن مجھے گھیرے ہوئے تھی۔

اندر اس شخص کی بیٹی موجود تھی جس سے میں نے زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کی تھی۔ جب کبھی میری ماں بیمار ہوئی اور خیراتی اسپتالوں سے دوائیاں کھا کھا کر زندہ رہی تب تب یہ نفرت اور بھی گہری ہوتی چلی گئی۔ میری ماں نے جس طرح ہم دونوں بھائیوں کو پالا اپنا پیٹ کاٹ کر ہمیں اعلیٰ تعلیم دلائی وہ کٹھنائیاں، مشکلات اور رت جگے میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا اور آج جب میں بینک میں شان دار پوسٹ پر ہوں تو سب میرے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ماموں صاحب میری سیرت و کردار سے یا بہن کی محبت سے مجبور نہیں ہوئے بلکہ ہمارے شان دار گھر اور گاڑی نے انہیں یہ بندھن باندھنے پر مجبور کیا تھا۔

خود پر بہت ضبط کرتے ہوئے میں اندر داخل ہوا۔ میں نے اس وقت کے لیے کوئی لائحہ عمل نہیں سوچا تھا بس خود کو یہ باور کرالیا کہ میں اس وقت کمرے میں بالکل اکیلا ہوں۔ اس کے بعد میں نے پھولوں سے بھرے بستر پر بیٹھی دلہن کو فراموش کردیا اور اپنے مخصوص لاابالی اسٹائل میں بستر کے کنارے پر بیٹھ کر جوتے اتارے اور انگڑائی لے کر تھکن زدہ جسم کو ریلیکس کیا۔ اس کے بعد اٹھ کر آئینے میں خود کا جائزہ لیا تو رشک آگیا۔ اپنا نائٹ سوٹ نکال کر میں باتھ روم میں گھس گیا۔ میرے دل و دماغ بے حد مطمئن تھے اور میں خود کو حق پر پا رہا تھا۔ میں اسکارپین ہوں بے حد رومینٹک، اپنے سے متعلق چیزوں کے بارے میں بہت پوزیسو، مگر نفرت صرف ایک ہی بندے سے کرتا تھا اور وہ تھا ریاض الرحمن! میرے ماموں صاحب... اور یہ لڑکی اسی کی بیٹی تھی۔ میں کپڑے تبدیل کرکے باہر نکلا تو وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی میرے ہونٹوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

(ایسے کبھی ہم تھک ہار کر بیٹھا کرتے تھے کہ کوئی آئے اور یتیموں کے سروں پہ ہاتھ رکھے... سنا ہے تمہارے ماں کی باپ کی جان ہے تم میں... یہی جان نہ نکال دی تو کہنا۔)

اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتا میں بستر پر لیٹا اور گلاب کی پتیاں مٹھیوں میں بھر کر اپنی چہرے پر ڈالیں تو خوشبو مشام جاں کو معطر کرنے لگی۔ نیند سے میری آنکھیں بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں نیند کے سفر پر نکل جاتا اچانک اک مدھر سا شور اٹھا۔ وہ جھلا کر بستر سے اتری تو کنگن، چوڑی، پائل، جھمکے سب بج اٹھے تھے۔

میرے کمرے میں یہ "احتجاج" پہلی بار ہوا تھا اس لیے میری آنکھیں فوراً" کھل گئیں۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟" اس کے تلخی بھرے لہجے پر میں نے بازو آنکھوں پر سے ہٹا کر اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ غصہ اور احتجاج بھرا دیکھ کر میرے دل کو بہت تقویت پہنچی۔

"مجھے سب طریقے آتے ہیں مگر میں آزمانا نہیں چاہتا۔"

میرے رسانیت بھرے کھلے پن نے اسے سٹپٹا دیا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔ میں بھی اس پر نظریں ٹکائے رہا۔

"نئی دلہن کے ساتھ ایسے ہی ہو کرتے ہیں؟" وہ یقیناً صدمے کی گرفت میں تھی۔

"میری پہلی پہلی دلہن ہے اس لیے مجھے اتنی معلومات نہیں۔" میں بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ سلگتے

بھڑکتے دل پر سکون کے چھینٹے پڑ رہے تھے۔ اب گیند میری کورٹ میں تھی۔

"آپ کی مرضی نہیں تھی اس شادی میں؟" وہ اب کی بار سراسیمہ سی تھی۔

"مرضی ہوتی تو یہاں کچھ اور ہی سچویشن ہوتی۔" میرے معنی خیز انداز پر اسے شرمانا یاد ہی نہیں رہا۔ وہ میری بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرے انداز صاف ظاہر کر رہے تھے کہ یہ شادی میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ میرا جواب یقیناً اس کی بکی کا باعث بنا تھا۔

"اس میں میرا قصور کتنا ہے؟" وہ تیوریاں چڑھائے پوچھ رہی تھی۔

"سو فیصد ہی سمجھ لو کیوں کہ تم ریاض الرحمٰن کی بیٹی ہو اور اس دنیا میں وہ واحد شخص ہے جس سے مجھے شدید نفرت ہے۔"

میرے لب و لہجے سے جھلکتی نفرت اسے سن کر گئی اسے تیہا دکھانا بھول گیا۔ اس کے حواس یقیناً جواب دے گئے تھے۔ مگر میں نے اس کی اڑتی رنگت کی پروا نہیں کی اس کی طرف سے رخ موڑا اور اطمینان سے تکیہ منہ پر رکھ لیا۔ نیند زوروں پر تھی اور میں دل میں اترنے والا سکون اس نیند میں اہم کردار ادا کر رہا تھا۔

صبح کمرے کا دروازہ دھڑا دھڑ ایا جا رہا تھا میں جاگا تو نہیں مگر غنودگی کے عالم میں میرے تخیل نے فرض کر لیا کہ آج میری مہندی ہے اور ڈھول بج رہے ہیں جب یہ ڈھول پھٹنے کے قریب ہو گئے تب میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھولوں سے سجے بستر اور کمرے نے مجھے حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا۔ میں نے کوفت بھری نظروں سے باتھ روم کے بند دروازے کو گھورا۔ اسی اثناء میں دستک پھر سے ہوئی۔

"آ رہا ہوں۔"

میں غصے سے چیخا۔ ایک تو نیند پوری نہیں ہوئی تھی اوپر سے صبح سویرے "گند" ہو گئی تھی۔ میں اٹھا اور لاک کھول دیا۔ باہر دلہن یعنی پری نیہ کی کزنز تھیں۔

"پری کدھر ہے؟"

اس کی خالہ زاد شنسا نے اچک کر اندر جھانکنے کی کوشش کی جو میں نے ناکام بنا دی۔

"اب وہ میری قید میں ہے۔"

"ہمیشہ سے سنتے آئے تھے کہ پری دیو کی قید میں ہوتی ہے آج دیکھ بھی لیا۔"

نشاء نے بہت شرارت سے کہا تو میں ان کی برجستگی کا قائل ہونے لگا۔

"اب آگے سے ہٹ بھی جائیں۔ ہم پری کو لینے آئے ہیں۔" وہ رعب جما رہی تھی۔

"کم از کم آج کا دن تو آپ کا نہیں۔ تمام ٹیکس ادا کیے ہیں میں نے۔" میں نے اسے چڑایا۔ اس تیز لڑکی پر ہی فیصل کا دل آیا تھا۔

"بھائی یہ کیا بات ہوئی۔ ملنے تو دیں ناں اس سے۔" اس کی ماموں زاد روحی جھنجلائی تھی۔

"ابھی تو وہ باتھ روم میں ہے۔ آپ نیچے چلیں ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔" میں نے اتنا دروازہ کھولا کہ باتھ روم کا بند دروازہ انہیں نظر آ جائے۔ لاکھ بولڈ ہونے کے باوجود میں انہیں یوں سجے سجائے کمرے میں بٹھانے کا روادار نہ تھا۔ وہ مجھے دھمکیاں دیتی، گھورتی پلٹ گئیں۔

میں نے باتھ روم کا دروازہ بدتہذیبی سے بجایا....

چند سیکنڈز کے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ وہ ناگواری سے مجھے دیکھتی باہر نکل آئی۔ جب میں باتھ روم سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو وہ ڈرائیر سے بال خشک کر رہی تھی۔ مجھے اس کے بالوں کی موٹائی و لمبائی دیکھ کر قدرے حیرت ہوئی۔ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتی تھی وہاں اس جھنجھٹ کو کوئی بھی پالنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے بالوں کی رنگت تانبے جیسی تھی جیسے آگ سے بنے ہوں۔ میں نے تولیے سے رگڑ کر گیلے بالوں کو خشک کیا اس کے بعد اس کے ہاتھ سے ڈرائیر تقریباً چھین کر بالوں کی کسر پوری کی۔ وہ لب بھینچے مجھے غصے سے دیکھنے لگی۔ اگر تو بجتی شب وصال کا کوئی حسین موقع آیا ہوتا تو وہ میری شوخی کا لطف لیتی مگر یہاں تو فقط کاغذی شادی ہو

کر رہ گئی تھی۔

"تم کیا حرکت ہے؟" آواز اور لہجہ کافی اچھا تھا مگر میں اگنور کر گیا۔

"بعد میں آکر یوں حق مت جتاؤ۔"

میں نے خاصے جتانے والے انداز میں کہا اور اس کے ساکت وجامد وجود کو نظر انداز کرتے ہوئے خود پر اچھی طرح پرفیوم انڈیل کر اکیلا ہی نیچے چلا آیا۔ وہ تینوں مجھے اکیلے آتے دیکھ کر ناراض ہونے لگیں۔ امی کے تاثرات دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ان کو بہت برا لگا ہے۔ میں ان سے نظریں چرا گیا۔ وہ تینوں ہمارا ناشتا لے کر آئی تھیں۔

"آئی ایم سوری لیڈیز! لیکن ادھر ذرا کمپلیکس تھا اس لیے مجھے تنہا آنا پڑا۔"

میں شرارت سے کہتے ہوئے امی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کیا کمپلیکس؟" وہ حیران ہوئیں۔

"بھئی دیکھو ناں مجھ سے ہینڈسم اسمارٹ بندے کے ساتھ چلتے ہوئے خود بخود ہی......"

میں شوخی آمیز اتراہٹ سے بولا تو انہوں نے شور مچا دیا۔

"شاید پری کا حسن دیکھ کر آپ کی دماغی حالت کافی متاثر ہوئی ہے۔" نشاء نے میرا مضحکہ اڑایا تو میں بھی ہنس دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد روحی اور شیبا جاکر پرنیہ کو لے آئیں میں نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی وہ کامدار فیروزی چائنہ سلک کے لباس میں ملبوس تھی کھلے بال دوپٹے سے جھانک رہے تھے۔ امی نے اس کی پیشانی چوم لی۔

ابھی ناشتا لگا ہی تھا کہ وہ چاروں بھی آگئے جن کے بغیر میں ادھورا تھا۔

"تو یہ مزے ہو رہے ہیں۔ ہم ادھر شامیانے لگا رہے ہیں ادھر تو دعوتیں اڑا رہا ہے۔" فیصل آتے ہی مجھ پر الٹ پڑا پھر نشاء کے ساتھ والی کرسی پر ہاتھ رکھ کر ذرا جھکا۔

"کیا یہاں بیٹھنے کی اجازت ہے؟"

اس قدر مان سے پوچھا گیا کہ جواباً "کوئی کافر ہوتا جو انکار کر دیتا۔ باقی تینوں بہت زور سے کھانسے تو نشاء گھبرا گئی۔

"انہیں ٹی بی ہے۔" فیصل نے اطمینان سے حلوہ پوری کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ سب ہنس دیں۔ سعود نے اسے مکا جڑ دیا۔

عاطف کو بے پروا اور قدرے بے نیاز سی شیبا بہت پسند آئی تھی۔ وہ بار بار کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز اٹھا کر اسے پیش کر رہا تھا۔ میں کئی بار اسے گھور چکا تھا مگر وہ گدھا مجھے دیکھنے پر راضی ہی نہیں تھا آنکھیں جیسے شیبا پر ہی فٹ ہو کر رہ گئی تھیں۔ تب اسے یہ بتانے کے لیے کہ ایسی حرکتیں کرتا وہ بالکل الو کا پٹھا لگ رہا ہے میں نے زور سے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں دے مارا۔ وہ کراہ کر سیدھا ہوا پھر مجھے گھورتے ہوئے قدرے سرگوشی میں دانت پیس کر بولا۔

"تمہاری ہو گئی ہے نا اس لیے اب....."

"جیلس....."

میں نے اسے چڑایا تو اس نے "مائی فٹ" کہہ کر نتھنے پھلا لیے۔ مجھے اس کی پھولی صورت دیکھ کر ہنسی آنے لگی۔

"او کے نشاء!" میں نے دائیں سائیڈ پر بیٹھی نشاء کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو اس کے ساتھ بیٹھے فیصل کو اچانک ہی کھانسی لگ گئی۔

"فی الحال تو ہمیں شام کے فنکشن کی تیاری دیکھنی ہے پھر ملاقات ہوگی۔"

میں نے فیصل کی کھانسی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو امی نے گھور کر دیکھا۔

"ہم آپ دونوں کے لیے ناشتا لائے ہیں اور آپ ہیں کہ چکھنے کے بھی روادار نہیں۔" روحی نے میری کلاس لینی شروع کر دی۔

"[illegible] میں اتنا ہیوی بریک فاسٹ نہیں لیتا صرف چائے پیتا ہوں۔" میں نے رسان سے جواب دیا تو اب کی بار نشاء نے حملہ کیا۔

"کبھی کبھار روٹین توڑ بھی دینی چاہیے۔"

"برسوں پرانی عادت ہے چھوٹتے ہی چھٹے گی۔"

میں نے معنی خیزی سے کہا۔ اپنی بات پر میں سامنے بیٹھی پرنیہ کی نظریں بے اختیار اپنی طرف اٹھتی محسوس کر چکا تھا۔ امی کی نگاہوں کی تپش بھی مجھے محسوس ہو رہی تھی مگر میں سسرال سے آیا ناشتا چکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں ان کے پیسوں کی لائی کسی چیز کا بھی روادار نہیں تھا۔ میں نے ان چاروں کو اٹھنے کا کہا مگر وہ میری طرف بالکل بھی متوجہ نہیں ہوئے۔ ناشتے اور لڑکیوں میں بہرحال مجھ سے زیادہ اٹریکشن تھی۔

"تھوڑی دیر بیٹھو۔ "ادھر ادھر" دیکھو۔ ہم بس اٹھ ہی رہے ہیں۔" فیصل نے معنی خیز انداز میں مجھے مشورہ اور تسلی ایک ساتھ دیے تو میں تلملا اٹھا۔ پر تکلف ناشتے کی اشتہا انگیز مہک معدے کو بری طرح متاثر کر رہی تھی مگر میں بمشکل خود پر جبر کیے ہوئے تھا اور امی میری حالت سے بے خبر نہیں تھیں۔ مگر میں مسلسل ان کی گھورنے والی نظروں کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اور پھر انہوں نے ناشتا ختم کر ہی لیا۔

باہر آ کے میں نے فیصل کو دو حموکا جڑا تھا۔

"کھا تو ایسے رہا تھا جیسے تیرے سسرال سے آیا ہو۔" میری جیلسی اُمڈ آئی تو وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

"عنقریب وہاں سے بھی آئے گا۔ ہمسائے میں ہی نشاء کا گھر ہے۔"

"یہ بڑا کمینہ ہے تیری سالی پر نظر ہے اس کی۔" عاطف نے مجھے بھڑکانے کی کوشش کی تو وہ دانت پیس کر بولا۔

"اور تو نے تو جیسے اس کے سالے پر نظر رکھی ہوئی ہے۔"

عاطف سہم کر میرے پیچھے چھپ گیا۔ گاڑی میں بیٹھنے تک ان کی جھڑپ جاری تھی۔

"اب بس بھی کرو یار۔" سعود نے انہیں گھورا تھا۔ میں فرنٹ سیٹ پر براجمان تھا عادل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال رکھی تھی جب کہ باقی تینوں پیچھے بیٹھے تھے۔

"اور بھئی۔۔۔ تم سناؤ کیسی گزری؟"

عادل کا انداز شوخی و شرارت سے پر تھا۔ فیصل اور عاطف بھی اپنی لڑائی بھول کر ہماری طرف متوجہ ہوئے تو میں بھی پوری طرح انہیں ستانے کے موڈ میں آگیا۔

"کچھ مت پوچھو یار کیا ہو گیا میرے ساتھ۔"

میں نے آنکھیں موند کر سر بیک سے لگا کر جھومتے ہوئے کہا تو ان کا تجسس حدوں کو چھونے لگا۔

"کیا ہو گیا؟"

فیصل اور سعود اچک کر آدھے مجھ پر آگرے۔ ساتھ ہی گاڑی لہرائی۔ عاطف غلطی سے عادل کے کندھے پر چڑھ گیا تھا۔

"اوئے خبیثو!" مجھے بے ساختہ ہنسی نے آلیا۔

"تم کچھ بتا رہے تھے۔" فیصل بے تاب ہوا۔

"میری حالت سے تمہیں پتا نہیں چلتا؟"

میں نے بمشکل ہنسی روک کر آہ بھری تو وہ تینوں پچھلی سیٹ سے اچکے عاطف نے باقاعدہ میرا منہ اپنی طرف گھمایا۔ چند لمحوں تک اچھی طرح سے جائزہ لیا گیا۔

"یار واقعی اس کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ تھپڑوں کے نشان بہت واضح ہیں ایک آنکھ پر نیل بھی پڑا ہوا ہے۔"

یہ گہرا تجزیہ محترم فیصل مسعود کا تھا میں نے جھٹکے سے منہ پھیر لیا۔

"تم لوگ بہت کمینے ہو۔"

میرے فتویٰ صادر کرنے پر وہ یوں ہنسے جیسے میں نے جانے ان کی کن پوشیدہ خوبیوں پر روشنی ڈال دی ہو۔

میرج ہال میں تمام انتظامات مکمل تھے۔ واپسی پر شام کی تقریب تک ہمارا فیصل کے گھر بیٹھنے کا پروگرام تھا مگر ہزار وعدے کرنے پر کہ میں ٹائم پر پہنچ جاؤں گا امی نے مجھے جانے کی اجازت نہیں دی وہ چاروں بھی مجھے ہری جھنڈی دکھا کر غائب ہو گئے۔

میں منہ بنا کر امی کے بستر پر گر پڑا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟ کل جب بھائی صاحب

تمہارے پاس بیٹھے تھے تو تمہاری شکل پر بے زاری تھی اور صبح تم نے ناشتا نہ کر کے کیا ثابت کیا ہے؟"

امی تو الٹ ہی پڑیں۔ میں بڑے سکون سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ سب سامنے کی باتیں تھیں اور یوں بھی میں نے اس شخص سے نفرت کو کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"آپ جانتی ہیں کہ اس شخص سے مجھے نفرت ہے۔" میں نے انہیں یاد دلایا۔ یہ بات میں بچپن سے ہی وقتاً "فوقتاً" انہیں بتایا کرتا تھا جب کبھی ہم پر مشکل وقت آتا میں یہ جملہ ضرور دہراتا تھا۔

"دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنی اصلاح کرو۔" وہ چڑ کر بولیں مگر مجھ پر ایسی "شرم دلاؤ" باتوں کا کوئی اثر نہیں تھا میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کے کہنے سے میں اس نفرت سے برطرف نہیں ہو جاؤں گا۔ مجھے اس شخص سے نفرت ہے اور رہے گی۔ جو تلخیاں میرے اندر بھر چکی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ صرف آپ کی زبان اور عزت کی خاطر میں اس شادی پر رضامند ہوا ہوں ورنہ اس شخص کے در پر میں تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"بکواس مت کرو تابش۔" وہ غصے سے کپکپا رہی تھیں۔ میں احتیاطاً ان سے دور ہو کر کھڑا تھا کیوں کہ کبھی کبھار وہ مجھے ایک آدھ جھانپڑ بھی رسید کر دیا کرتی تھیں۔

"تم نے میرے بھائی پر کوئی احسان نہیں کیا لاکھوں میں ایک ہے میری بھتیجی۔ جانے تم جیسے نالائق میں انہیں کیا نظر آگیا۔ شکر کرو کہ برسوں سے ٹوٹے رشتے جڑ گئے ہیں۔"

ان کے یوں واشگاف الفاظ میں پرنیہ سے محبت کا اظہار کرنے پر میں سلگ اٹھا۔

"برسوں سے ہم نہیں وہ توڑے بیٹھے تھے رشتے۔ اور اتنی ہی بھانجے سے محبت تھی تو یہ محبت تب کیوں نہ جاگی جب ہم یتیم ہو گئے تھے؟ جب دو وقت کی روٹی نہیں تھی کھانے کو؟ کبھی آ کر ہم سے پوچھا کہ زندہ بھی ہیں یا مر گئے؟ انہوں نے تو دست شفقت تک نہیں پھیرا ہمارے سروں پر۔ اماں ہم تو ان کی جھوٹی محبت ہی سے بہل جاتے۔ نہ دیتے وہ مال و دولت ہمیں نہ پوچھتے کہ ہمارے پیٹ میں کچھ ہے یا نہیں ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار وہ ہمارے سروں پر ہاتھ ہی رکھ دیتے روکھا پیار ہی دے دیتے تو آج اگر آپ مجھے ان کے لیے جان دینے کے لیے بھی کہتیں تو میں کمی نہ کرتا مگر اب۔۔۔" میں نے سلگتے بھڑکتے لہجے میں کہتے ہوئے لب بھینچ کر نفی میں سر ہلایا میری آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ امی رونے لگیں۔

"نہ بیٹا! اتنا غصہ اور نفرت اچھی نہیں۔ اب تو خود انہوں نے بیٹی دی ہے اس گھر میں۔"

"ہاں۔۔۔ بھول جائیں کہ آپ کی محبت میں انہوں نے بیٹی دی ہے۔ یہ سب میری جاب اور اس شان دار گھر کا کمال ہے۔" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا اور پھر گویا انہیں باور کرایا۔

"آپ نے شاید ان کی بیگم کی اترائی ہوئی شکل اور اکڑی ہوئی گردن نہیں دیکھی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ بیٹی دینے کے بعد گردن بھی تمہارے قدموں میں جھکا دیتے۔۔۔ خدا کا خوف کرو تابی۔"

وہ بگڑنے لگیں۔ میں نے اور بے خوفی دکھانا چاہی تو انہوں نے مجھے جھاڑ دیا۔

"اور یہ جو تم ہر دو منٹ کے بعد اٹھ کر چل دیتے ہو یہ ختم کرو۔ اپنی بیوی کو بھی ٹائم دو۔ شام کو پھر فنکشن ہے تھوڑا آرام کرو جا کر۔"

"میں بالکل بھی آرام کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے منہ پھلا کر خفگی ظاہر کرنی چاہی مگر وہ قطعی متاثر نہیں ہوئیں۔

"میں پرنیہ سے تمہاری کوئی شکایت نہ سنوں تابی۔"

وہ مجھے وارننگ دے رہی تھیں اور میری سوچیں تخریب کارانہ ہو رہی تھیں۔ (کبھی نہیں سنیں گی کیوں کہ میں اس کا گلا ہی دبا دوں گا نہ رہے گا بانس۔۔۔) میں

نے سر جھٹک کر قدرے بے زاری کا اظہار کیا تو وہ شروع ہو گئیں۔

"تم بہت ڈھیٹ ہوتے جارہے ہو۔ یہ سب میرا قصور ہے۔ میں نے ہی لاڈ پیار سے تمہیں سر پر چڑھا لیا ہے۔ مگر وہ بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے اس سے کوئی زیادتی کی تو میں اس کی حمایت کروں گی نہ کہ تمہاری۔"

ان کی بات نے تو میرا تن من جلا کر خاکستر کر دیا۔

"آپ صرف میری امی ہیں۔" میں نے مچل کر کہا تو وہ بے نیازی سے بولیں۔

"میں اس کی بھی ماں ہوں۔"

"تو پھر سینے سے لگا کر رکھیے گا اپنی بیٹی کو۔" میں تلملا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اپنے کمرے میں جانا سیدھے۔" وہ سختی سے بولیں تو میں پیر پٹختا سیڑھیوں کی طرف بڑھا راستے میں طاری ٹکرایا اس کی ہنسی نے مجھے اور مشتعل کر دیا میں نے اس کے شانے پر گھونسا رسید کیا تو وہ منہ بسورنے لگا۔

میں نے زور سے دروازہ کھولا اور اس سے بھی زیادہ زور سے بند کیا تاکہ اسے اچھی طرح میرے غصے کا پتا چل سکے۔ وہ بستر پر لیٹی تھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ میں بگڑے ہوئے موڈ میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"میری ماں صرف میری ماں ہے۔ اگر تم نے ان سے زیادہ تعلقات بنانے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا۔"

میں نے کڑے لہجے میں اسے دھمکی دی وہ ابھی پلکیں جھپکتی میری بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں اسے گھورتے ہوئے بستر پر آڑا ترچھا گر سا گیا۔ وہ مجھ سے بہت قریب تھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"غور سنو۔ اب تم اس گھر میں آ ہی گئی ہو میرے احسان کی بدولت تو میرے تمام کام تمہارے ذمہ ہیں۔ اگر میں نے امی کو کوئی بھی کام کرتے دیکھ لیا تو انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔"

میں نے سختی سے کہتے ہوئے اسے گھورا۔ وہ قدرے سہمی ہوئی تھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اپنی کزنز کی طرح بولڈ ہو مگر میری سخت طبیعت اور غیر متوقع حالات اسے سدھ بدھ بھلائے ہوئے تھے۔ اور میں بھی چاہ رہا تھا کہ شروع ہی سے اسے خوب رعب میں رکھوں تاکہ ماموں صاحب سے خوب اچھی طرح بدلہ لیا جا سکے۔ انہیں بھی پتا چلے کہ مجبوری کس چڑیا کا نام ہے اور اس کی خاطر انسان کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اب پتا نہیں میرا یہ عمل درست تھا یا نہیں مگر میرے دل و دماغ اس پر پوری طرح متفق تھے۔

اس وقت میں امی سے ہونے والی بحث کا سارا غصہ اس پر نکال رہا تھا۔

"تم نے سن لیا میں نے کیا کہا ہے؟" میں نے کھردرے لہجے میں پوچھا حالانکہ جتنے جوش سے میں بول رہا تھا امید واثق تھی کہ وہ میکے میں بیٹھی بھی سن لیتی۔ اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا تب میں نے گہری سانس لے کر آنکھیں موندیں اور اطمینان سے بولا۔

"تو پھر میرے جوتے اتار دو ذرا۔"

یہ انداز تھا اسے اس کی اوقات بتانے کا۔ میں نے آنکھوں کی جھری میں سے دیکھا وہ بہت بے یقینی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"سنائی نہیں دیتا تمہیں؟" میں نے آنکھیں کھول کر تلخی سے کہا تو وہ آگے بڑھی اور جھک کر میرے جوتے اتارنے لگی۔ کبھی اس کا دوپٹا شانوں سے ڈھلکنے لگتا کبھی اس کے کھلے بال رکاوٹ بننے لگتے۔ بمشکل اس نے میرے جوتے اتارے۔ میں دونوں ہاتھ سر کے نیچے باندھے بڑی دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں اور میں ان میں تیرتی نمی دیکھ چکا تھا مگر مجھ پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا۔

ولیمہ کی تقریب بخیر و خوبی گزری۔ رات کو ماموں صاحب بیٹی اور داماد کو ساتھ لے جانے پر بضد ہوئے تو میں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر نیہ نے ملتجیانہ انداز میں مجھے دیکھا جواباً" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

سب لوگ جا چکے تھے۔ امی نے مجھے گھورا۔

"امی میں بہت تھکا ہوا ہوں۔" میں نے کہنا چاہا مگر امی نے میری بات کاٹ دی۔

"وہاں جاکر بھی تو آرام ہی کرنا ہے۔" وہ قطعی انداز میں بولیں ساتھ ہی مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو مارے باندھے مجھے ماموں صاحب کی شان دار سی گاڑی میں ان کی لاڈلی کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ انتہائی دیدہ زیب کامدار فان کلر لہنگے اور بھاری زیورات میں اس کی چھب نرالی تھی۔ مگر میں اسے دیکھنے کا روادار نہیں تھا۔ ہمارا نہایت پرتپاک استقبال کیا گیا۔ رشتے دار تھے کہ اُمڈے پڑ رہے تھے۔ میں اندر سے سخت تپا ہوا تھا مگر بظاہر سب کے ساتھ ہنس بول رہا تھا۔ شیبا روحی اور نشاء اب بھی ناک میں دم کیے دے رہی تھیں۔ آدھی رات کو مہمانوں کے جانے پر یہ ہنگامہ تھا۔

ماموں صاحب کو میرا تنا ہوا چہرہ اور بگڑے بگڑے انداز کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہے تھے انہوں نے سوچا ہو گا کہ بیٹا بھی ماں ہی کے جیسا "مل بیٹھنے کا شوقین" ہو گا مگر اب وہ یقیناً چوکنے ہو گئے تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

میرے انداز واطوار پر وہ چپ سے ہو گئے۔ ممانی صاحبہ مجھے اور پرنیہ کو کمرے تک چھوڑ گئیں۔

"کس قدر چیپ ہیں تمہارے والدین۔" کمرے میں پہنچتے ہی اس کا دل جلانا اپنا فرض سمجھا۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"آپ ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کریں۔"

"لو شٹ اپ!" میں ہاتھ ہلا کر بے پروائی سے کہتا بستر پر دراز ہو گیا۔ وہ تاسف سے مجھے دیکھنے کے بعد دوپٹے پر لگی سیفٹی پنیں اتارنے لگی۔ میں نے نظریں گھما کر کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ یہ یقیناً پرنیہ کا کمرا تھا کیوں کہ دیواروں پر اس کی بڑے سائز میں تصویریں آویزاں تھیں۔ تبھی وہ میری طرف مڑی۔

"آپ کے کپڑے بھی وارڈ روب میں موجود ہیں

... کر لیں۔"

بچپن سے آج تک ان کا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ اب یہ مہربانیاں بھی قبول نہیں کروں گا۔"

میں ... ... پر وہ گھبرا گئی۔ پھر جلد ہی خود کو سنبھال کر میری ... ... ہوئی۔

"آپ بے ... باز انسان ہیں۔ آپ نے صرف اور صرف بدلہ ... کی خاطر مجھ سے شادی کی ہے۔"

اس کی بھوری آنکھوں میں دکھ اور تاسف تھا۔

"ذہین ہو۔" میں نے چڑانے والے انداز میں اسے سراہا تو وہ تلخی سے بولی۔

"ذہین ہوتی تو آپ سے کم از کم شادی نہ کرتی۔"

"اب تو کر لی ناں... لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ۔" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا تو وہ جھٹکے سے پلٹ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ میں اضطرابی انداز میں ہلاتا یونہی کمرے کی منفرد ڈیکوریشن پر غور کرنے لگا۔

وہ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد باہر نکلی اور آئینے کے سامنے بیٹھ کر میک اپ صاف کرنے لگی۔ جب وہ بستر پر آنے لگی تو میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

"میرے جوتے بھی اتار دو۔"

"میں آپ کی ملازمہ نہیں ہوں۔" وہ تلخی سے بولی۔ میں نے اسے ایسے کون سے حقوق دے دیے تھے جو وہ یہ سب برداشت کرتی بہرحال اس کی بہادری پر میری آنکھیں پوری کھل گئیں۔ میں نے سراہا۔

"گڈ چینج! اگر بیوی تو ہو ناں... یہ کام بیویاں ہی کرتی ہیں۔"

"میں آپ کی بیوی بھی نہیں... صرف کاغذی رشتہ ہے ہمارا۔" وہ چیخ کر بولی تو میں نے اگلے ہی پل اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا وہ بستر پر آن گری۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ میری جبری جسارت نے اسے ششدر کر دیا وہ بمشکل مجھے جھٹک کر اٹھی تھی۔

"اب کیا خیال ہے... اب تو اتار سکتی ہو ناں

جوتے؟" میں نے فاتحانہ انداز میں پوچھا تو وہ فوراً پلٹ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

صبح میں نے ناشتے سے پہلے ہی واپسی کا شور مچا دیا۔

ماموں ممانی بوکھلائے ہوئے تھے۔ البتہ وہ مجھ سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔

"بیٹا کیا پرابلم ہے بتاؤ تو سہی؟"

ماموں صاحب نے بے حد پیار سے پوچھا تو میں سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اگر اس قدر پیار سے بچپن ہی میں پوچھ لیا ہوتا تو آج یہ سوال پوچھنے کی نوبت نہ آتی۔

"میری پرسنل پرابلم ہے آپ کو بتانا ضروری نہیں۔"

میں نے بے حد روکھے پن کا مظاہرہ کیا تو لحظہ بھر کو وہ چپ رہ گئے۔

"مگر بیٹا ابھی ملنے جلنے والے آجائیں گے اور پھر ناشتا۔"

"ہمارے گھر میں بھی بنتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ رات کی طرح میں صبح بھی بھوکا رہوں۔"

میرے صفاچٹ انداز پر وہ تحیر میں گھرے پرنیہ کو دیکھنے لگے جو اضطرابی انداز میں ہاتھ مسلتی لب کچل رہی تھی۔

"کچھ تو پتا چلے آخر بات کیا ہے؟" ممانی صاحبہ روہانسی ہونے لگیں۔

"جہاں آپ لوگوں نے اتنے سال بے خبری میں گزار دیے وہیں یہ موقع بھی گزر جانے دیں آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟"

میرے طنز و استہزا سے بھرپور لہجے نے ماموں صاحب کو بھی "چھلکا" دیا۔

"تو پھر تم جاؤ۔ پرنیہ ناشتا کر کے جائے گی۔"

"اوکے! اگر آپ اسے یہیں رکھنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔"

میرے پرسکون انداز پر وہ بے چین ہو گئی۔ میرے لہجے سے واقف جو ہو چکی تھی۔ فوراً بول اٹھی۔

"نہیں ڈیڈا! میں پھر آجاؤں گی۔ ابھی جانے دیں۔"

ان سب کے احتجاج کے باوجود میں اسے سمپل سے نائٹ سوٹ میں گھر لے آیا اتنا ضرور کیا کہ ان کی گاڑی ڈرائیور سمیت قبول کر لی۔

"تابی خیر تو ہے نا؟" امی حیران و پریشان تھیں۔ اب ناشتے کے وقت ہم دھلے دھلائے منہ لیے گھر میں موجود تھے تو ان کا یہ سوال بالکل جائز تھا۔

"بالکل خیر ہے۔"

میں اطمینان سے کہتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ امی نے پریشانی سے پرنیہ کو دیکھا جو بمشکل خود پر قابو پا رہی تھی مگر ان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ تیزی سے اوپر چلی گئی۔ میں طاری کے ساتھ ناشتے میں شامل ہو گیا۔

"تابی! میں کیا پوچھ رہی ہوں؟" امی بہت غصے میں تھیں۔

"جی پوچھیے امی جان!" میں نے بے حد فرماں برداری سے کہتے ہوئے طاری کے ہاتھ پر تھپڑ رسید کیا جو اپنا چائے کا کپ میرے آگے سے اٹھانے والا تھا۔ وہ تاسف سے مجھے دیکھ کر رہ گیا۔

"تم لوگ لڑ کے آئے ہو؟" انہیں وہم سا ہوا۔

"میری شکل کیا جیرے پہلوان سے ملنے لگی ہے؟" میں ہنسا تو طاری نے بھی میرا ساتھ دیا۔ مگر امی کے غصے کا وہی عالم تھا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ کیوں آئے ہو وہاں سے ناشتے کے بغیر؟"

"آپ کے ہاتھ کے ناشتے کی ایسی عادت پڑی ہے کہ بس..... اسی لیے وہاں ناشتا نہیں کیا۔" میں نے بات بنائی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولیں تو میں جھنجلا گیا۔

"تو پھر پوچھتی کیوں ہیں؟"

"بچی کو کس بات کی سزا دے رہے ہو تم؟" وہ بگڑنے لگیں۔

"آپ اس سے چاہے پوچھ لیجیے گا میں نے اسے

کہا تھا کہ وہ رہے وہیں۔ وہ خود ہی میرے ساتھ چل پڑی۔ اور جب بیٹی ہی کو باپ کے گھر کے ناشتے سے رغبت نہیں تو پھر میں تو داماد ہوں۔"

میں نے بہت ہوشیاری سے اپنی صفائی پیش کی تو اب کی بار انہوں نے مزید بحث کرنے کی بجائے میرے آگے سے ناشتے کی چیزیں ہٹالیں۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" میں بلبلا اٹھا۔

"رات کا کھانا بھی نہیں کھایا میں نے۔"

"کمینے ہو تم ناشکرے ہو اور اب میں تمہارے لیے بالکل بھی کچھ نہیں بنایا کروں گی۔ اپنے لیے چاہے اب تم جہاں سے بھی بندوبست کرو۔" وہ اس سے بہت بے درد بن گئیں۔ طاری نے میری بے بس شکل دیکھ کر قہقہہ لگایا تھا۔ تب میری انا جاگ اٹھی۔

"ایسے ہے تو ایسے ہی سہی۔۔۔ نہیں کھاؤں گا آپ کے ہاتھ کا کھانا اور ناشتا!" میں نے اپنی طرف سے انہیں جذباتی کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ان سنی کرتی کچن میں چلی گئیں۔

"یہ سب اس چڑیل کی وجہ سے ہوا ہے۔" میں تلملایا۔

"چڑیل نہیں پری۔" اس نے ہنس کر تصحیح کی تو میں نے اسے گھورا۔

"چچے تم آرام سے رہو۔"

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی طاری ناشتے میں مگن تھا۔ میرے اندر پھر کھدبد مچی۔

"صرف اس کی وجہ سے میری امی میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہی ہیں۔" میں نے مچل کر طاری کی ہمدردی حاصل کرنی چاہی مگر وہ مجھ سے زیادہ ناشتے میں انٹرسٹڈ تھا۔ میں نے خجالت دور کرنے کے لیے اسے ایک جھانپڑ رسید کیا۔

"تم بہت خبیث ہو۔ میری ہمدردی ہی میں کچھ بک دو۔"

"ہمدردی میں آپ کو بکواس چاہیے؟"

وہ بھی میرا ہی بھائی تھا اطمینان سے پوچھ کر دل جلا رہا تھا۔

"تم وہی کر دو تو غنیمت ہوگی۔" میں جل کر بولا تو وہ ہنسنے لگا۔

"تم نے دیکھا امی میرے ساتھ وہ سلوک کر رہی ہیں جو انہیں اپنی بہو سے کرنا چاہیے۔"

"امی نئی مثال قائم کریں گی۔" میرے شکایتی انداز پر وہ منہ پھاڑ کر ہنسا۔

"ٹھیک ہے۔ یوں ہے تو یونہی سہی۔" میں امی کو سنانے کے لیے زور سے بولتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"اب میں بھی صرف اپنی مرضی چلاؤں گا۔ مجھے کوئی نہ روکے۔" میں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا تبھی مجھے اندازہ ہوا کہ جوش جذبات میں میری آواز کچھ زیادہ ہی بلند ہو گئی تھی کیوں کہ امی فوراً کچن سے نکل آئی تھیں۔ میں خجل سا ہو گیا۔

"جو جی میں آئے کرو۔ اس کے لیے اخبار میں اشتہار دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ گرما گرم پراٹھا طاری کے آگے رکھتے ہوئے لاتعلقی سے بولیں۔ ظاہر ہے وہ تو "مل بیٹھی" تھیں اب میرا چاہے جو بھی بنتا انہیں کیا فرق پڑتا تھا۔ میں جلتا کلستا پیر پٹختا سیڑھیاں طے کر کے کمرے میں آگیا غصے کے عالم میں بھوک اور بھی شدت اختیار کر گئی تھی۔

وہ بستر پر اوندھی لیٹی تھی مجھے پہلی نظر ہی میں پتا چل گیا کہ وہ رو رہی ہے۔ میرے دل کو یک گونہ سکون سا ملا مگر بھوک میں افاقہ پھر بھی نہیں ہوا۔

"تم کس بات کا سوگ منا رہی ہو؟"

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔

"جو سلوک آپ میرے ساتھ، میرے والدین کے ساتھ کر رہے ہیں اسی کا سوگ منا رہی ہوں۔"

بے بسی اس کی رندھی ہوئی آواز سے مترشح تھی۔

"ویری گڈ! یعنی کہ میں بالکل ٹھیک جا رہا ہوں۔"

میں بے حد سکون سے بولا تو وہ متاسف انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔

"آپ ایک ہی بار کیوں نہیں بتا دیتے کہ آپ کیا

چاہتے ہیں؟" وہ شکست خوردہ انداز میں پوچھ رہی تھی میرے ہونٹوں پہ بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے پہلی بار بغور اسے دیکھا تو وہ ڈسٹرب ہونے لگی۔ پہلے اس نے پلکیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر پلکیں جھکا لیں۔ اس کے بعد بالوں کی لٹ کو بلا وجہ کان کے پیچھے اڑسا پھر انگلیاں چٹخانے لگی۔

"تم بے فکر رہو۔ تم سے میں کچھ نہیں چاہتا۔ سمجھیں......؟ کچھ بھی نہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پل بھر میں اس کے وجود کی نفی کر دی تو وہ سارا حجاب بھولے ایک ٹک مجھے دیکھے گئی۔ اس کے چہرے پہ دکھ اور بے یقینی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔ تب میں کچھ عجیب سا محسوس کرتے ہوئے سر جھٹک کر پلٹا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ ابھی مجھے بازار سے ناشتا بھی لانا تھا۔

اس نے میرے ساتھ ناشتا نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ امی نے اسے اپنے ہاتھ سے کرا دیا ہو کیوں کہ جب میں ناشتے کا سامان لے کر آیا تو وہ انہی کے پاس بیٹھی تھی۔ مگر رات کو میں نے اس پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ آئندہ سے میرا ہر کام اس کی ذمہ داری ہے چاہے وہ ناشتہ بنانا ہو یا کپڑے استری کرنا اور وہ میرے احکامات خاموشی سے سنتی رہی۔

مگر اس کے لیے ان احکامات کو بجا لانا کس قدر مشکل تھا اس کا اندازہ مجھے ہفتہ بھر ہی میں ہو گیا۔ وہ لڑکی جس نے ہوش سنبھالتے ہی گھر میں نوکروں کی فوج دیکھی ہو وہ میرے جوتے کیسے پالش کر سکتی تھی، میرے کپڑے کیسے استری کر سکتی تھی، ناشتا بنانا تو دور کی بات تھی۔

چند دنوں میں ہی میری اچھی خاصی زندگی ابتر ہو گئی۔ الماری کھولتا تو ہر کپڑا فرط جذبات سے گلے آن ملتا۔ ہر چیز ڈھونڈنے پر مل جاتی مگر نہیں ملتی تو وہ چیز جس کی ضرورت ہوتی۔

مجھے بینک سے اچھی خاصی دیر ہو گئی اور اس کی وجہ وہ انگلش مووی تھی جو میں رات دیر تک دیکھتا رہا تھا۔ میں فوراً غسل کے لیے داخل ہوا مگر دوسرے ہی لمحے باہر بھی نکل آیا۔

"میرے کپڑے کہاں ہیں؟"

"وہ...... بس میں ابھی پریس کیے دیتی ہوں۔" وہ گڑبڑائی تو میں اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھتا باتھ روم میں گھس گیا۔ میرے پاس ٹائم نہیں تھا ورنہ میں اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیتا۔

مارے باندھے اس نے میرا سوٹ پریس کیا تھا۔ پینٹ کا حشر دیکھ کر تو میرا خون کھولنے لگا۔ میں باتھ روم ہی سے دہاڑا تھا۔

"کتنی بار تمہیں کہا ہے کہ شلوار کی طرح اسے پریس نہیں کرتے جاہل۔" بمشکل میری تیاری عمل میں آئی، میں باہر نکلا تو وہ الماری میں سر گھسائے کھڑی تھی اور قدموں کے پاس کپڑوں کا ڈھیر لگاتی جا رہی تھی۔ میں دانت پیستا بستر پر بیٹھ کر جلدی جلدی جرابیں پہننے لگا۔ میری نظر مستقل وال کلاک پر تھی۔ ٹھیک پندرہ یا بیس منٹ کے بعد میری بے حد امپارٹنٹ میٹنگ تھی اور میں ابھی تیاری ہی میں اٹکا تھا۔ جرابیں پہننے کے بعد میں بوٹ اٹھانے کے لیے جھکا تو جھکا ہی رہ گیا۔ نیچے کالے بوٹ پڑے میرا منہ چڑا رہے تھے۔

"تمہیں ذرا بھی تمیز نہیں کہ اس سوٹ کے ساتھ براؤن شوز ہونے چاہئیں۔ میں طیش کے عالم میں گویا ہوا تو اس نے جلدی سے براؤن شوز نکال کر میرے سامنے لا رکھے جو دھول سے اٹے ہوئے تھے۔

"اوہ گاڈ!" میں نے دانت پر دانت جما کر غصہ ضبط کیا اور پھر اسی کا دوپٹا پکڑ کر جوتے صاف کر کے پہننے لگا۔

"اب رومال اور ٹائی دے دو یا وہ بھی......"

میں نے اسے سر پہ کھڑا دیکھ کر غصے سے کہا تو وہ الماری کی طرف بھاگی میں نے بالوں کو الٹا سیدھا سنوارا اور بریف کیس چیک کرتا جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا تو وہ میری جانب لپکی۔

"یہ...... آپ کی ٹائی۔"

"مہربانی شکریہ نوازش۔"

میں بے حد خفگی سے کہتا ٹائی پکڑ کر تیزی سے باہر

نکل آیا سیڑھیوں کے آخر پر امی سے ملاقات ہوئی تو میں ناراضگی سے انہیں خدا حافظ کہتا تیز قدموں سے چلتا ہوا پورچ میں آگیا۔

آفس پہنچنے تک میٹنگ کے دوران اور آف ہونے تک میرا دماغ برابر ابلتا رہا تھا۔ اتنی بری حالت میں آفس آنے کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اس قدر جاہل لڑکی تھی کہ رات کو کبھی میری چیزیں تیار کر کے نہیں رکھتی تھی۔

واپسی پر شام کو میں آہستگی سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی زندگی کے اس المیے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ ہفتہ بھر سے میں باہر سے ناشتا اور کھانا کھا رہا تھا جب کہ وہ بڑے دھڑلے سے امی اور طاری کے ساتھ کھاتی تھی۔ اگر سوچا جاتا تو صرف میرا ہی نقصان ہو رہا تھا باقی تو ہر کوئی موج میں تھا۔ جس کی وجہ سے میں یہ سب بھگت رہا تھا وہ بہت طمانیت سے زندگی گزار رہی تھی۔ میری کنپٹیاں سلگنے لگیں۔

میں سیدھا گھر نہیں گیا بس ادھر ادھر گاڑی گھماتا کچھ سوچتا سمجھتا رہا۔ اور جب ایک باقاعدہ لائحہ عمل طے کر لیا تب گاڑی کا رخ میں نے ہوٹل کی طرف کر دیا۔

میں گھر پہنچا تو جاتے ہی امی سے ٹکراؤ ہو گیا۔

"یہ ٹائم ہے تمہارے آنے کا..... کہاں تھے؟" میں ذرا ٹھٹکا۔

"اس سوال کا جواب صرف یہی دوں گا کہ یہ سب آپ کی ضد کا نتیجہ ہے۔" میں بے اعتنائی سے کہتا تیزی سے سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔ امی کے تاثرات دیکھنے کی میں نے زحمت نہیں کی۔ جو تمام فسادات کی جڑ تھی وہ بہت ریلیکس موڈ میں میگزین دیکھ رہی تھی۔ میں نے جاتے ہی بریف کیس صوفے پر پھینکا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا خود بھی ساتھ ہی گر پڑا۔ اس نے صرف ایک نظر مجھے دیکھا تھا اس کے بعد وہ پھر اپنی دلچسپی کی طرف متوجہ ہو گئی میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"آج صرف تمہاری وجہ سے مجھے دیر ہوئی آفس سے۔"

میں نے غصے سے کہا تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی معصومیت مجھے چڑانے لگی۔

"سب کو پتا چل گیا ہے کہ میری بیوی ایک پھوہڑ اور بدسلیقہ عورت ہے جسے یہ بھی نہیں پتا کہ ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے کیا فرائض ہیں۔" میرے تند و تیز لہجے نے اس کے اطمینان پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔

"بالکل ایسے ہی جیسے تمام لوگوں کو پتا چل گیا ہے کہ میرے شوہر کو بھی یہ نہیں پتا کہ ایک شوہر کی حیثیت سے اس کے کیا فرائض ہیں۔"

اس کا رسان بھرا لہجہ مجھے لحظہ بھر کو ششدر کر گیا۔ پھر میں بھڑک کر اٹھا۔

"تمہارے سے متعلق کوئی بھی حق مجھ پر فرض نہیں ہے۔ تم محض میرا انتقام اور میری ماں کی ضد ہو جسے میں نے مجبوراً" نبھایا۔ اس سے آگے کا کبھی تصور بھی مت کرنا..... ہنہہ..... کم از کم میری زندگی میں تو نہیں۔" جب میں نے بات شروع کی تو سخت طیش بھرے لہجے میں بولا مگر اس کے چہرے پر کھنڈتی زردی اور خوف زدہ تاثرات دیکھ کر خود بخود میرا انداز استہزائیہ ہو گیا۔

"میں تمہیں مانگنے تمہارے در پر نہیں گیا تھا جو اب تمہارے حقوق و فرائض نبھانا شروع کر دوں۔ تم ان چاہی ہو..... سمجھ آئی؟ ان چاہی۔"

میں لفظوں کے تیر اس کی روح میں اتارتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچایا تھا۔ اس کی کیا حالت ہو رہی ہے میں نے بالکل نہیں دیکھا مجھے صرف اور صرف اپنی دلی تسکین سے غرض تھی۔ ریاض الرحمٰن کی نازوں پلی بیٹی کو میں نے اپنے قدموں کی دھول بنا دیا تھا۔ قسمت کے ستارے گردش میں تھے ایک وہ وقت تھا جب کبھی ہمارے گھر میں فاقہ ہوتا تو میں چپکے چپکے خدا سے دعا مانگا کرتا تھا کہ وہ ہمارے ماموں صاحب کے دل میں رحم ڈال دے اور وہ اور کچھ نہیں تو اس ایک وقت کے لیے ہی ہمیں کھانے کو کچھ دے دیں۔ "وہ

سب باتیں اب جب میں سوچتا تو میرے دل و دماغ سلگ اٹھتے۔ مجھے معلوم تھا کہ میں ساری عمران کی ظالمانہ بے التفاتی کو نہیں بھلا سکتا۔

"اب یہ سوگ منانا چھوڑو اور اٹھ کر میرے صبح کے لیے کپڑے پریس کرو۔ میرے رومال' جرابیں اور ٹائیاں ایک جگہ پر رکھو۔ میرے تمام شوز پالش کر کے رکھو ورنہ اس کے بعد جو ہوگا اس کی ذمہ دار فقط تم ہوگی۔۔۔ ناؤ اسٹینڈ اپ۔"

میں بہت سرد لہجے میں اسے احکامات سنا رہا تھا سمجھا رہا تھا۔ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی میں باتھ روم کی طرف بڑھا پھر کچھ سوچ کر اس کی طرف پلٹا۔

"اور آئندہ میرے استری شدہ کپڑے میری واپسی سے پہلے باتھ روم میں موجود ہونے چاہئیں۔"

اگر امی میرے اوپر اسے فوقیت نہ دیتیں تو شاید میں اتنی سنگ دلی سے کام نہ لیتا مگر اب تو میری انا اور میرا غصہ عود کر آیا تھا شاید اپنے اسکارپین ہونے کی وجہ سے۔

میں کپڑے تبدیل کر کے نکلا تو وہ میرے کپڑے پریس کر رہی تھی۔ میں طمانیت محسوس کرتا بستر پر آ گیا اور میگزین کا مطالعہ کرنے لگا۔ تبھی اس کی دبی دبی سسکیوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کپڑے استری کرنے کے ساتھ ساتھ رونے کا شغل بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔

"جب میں مطالعہ کر رہا ہوں تو مجھے مکمل خاموشی ہونی چاہئے اس لیے اگر تم نے رونا ہی ہے تو بغیر آواز کے روؤ۔"

میں نے سنگ دلی کی انتہا کر دی ایک دم سے اس کی سسکیوں کی آواز بند ہو گئی تو میں اطمینان سے میگزین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میرے کپڑے استری کرنے کے بعد وہ الماری میں سر گھسیڑ کر میری دوسری چیزیں ڈھونڈنے لگی۔ آخر میں جب وہ میرے جوتے پالش کر رہی تھی تو میں نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی نو بجے بے سدھ سونے والی رات کے بارہ بجے نیند میں جھوم رہی تھی۔

"کل کیا دن ہے؟"

میں نے ایک دم زور سے پوچھا تو وہ تقریباً اچھل پڑی۔ پھر نیند سے گلابی ہوتی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کل کیا دن ہے؟" میں چڑ گیا۔

"سنڈے۔۔۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی تب میں نے اطمینان سے اسے ایک اور چرکا لگایا۔

"صبح میرے لیے تم ناشتا بناؤ گی۔"

"جی۔۔۔؟" اب کی بار اس کی پوری آنکھیں کھل گئیں۔

"جی۔۔۔ میں نے طنزاً" کہا تو وہ میرے جوتے ریک میں رکھنے کے بعد ہاتھ دھو کر میری طرف آئی۔

"آپ نے مجھے جو بھی کہا مجھے جیسا آتا تھا میں نے کر دیا مگر۔۔۔ آئی سوئیر مجھے ناشتا بنانا بالکل نہیں آتا۔"

اس کے سادہ سچے انداز پر میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"پتا ہے پرنیہ ریاض الرحمٰن! ہر انسان عادی کسی بھی چیز کا نہیں ہوتا حالات اسے عادی بنا دیتے ہیں۔ تم بھی اپنا لوگی ہر بات۔۔۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ بے بسی سے بولی۔

"پلیز تابش! میں آپ کی بیوی ہوں۔ وہ مقام نہ سہی وہ عزت تو دیں جو ایک بیوی کو دی جاتی ہے۔"

اس کی آواز میں نمی اتر آئی تو میں اختیار ہنس دیا۔۔۔ پھر بہت محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

"تو گویا تم مجھے بھی ویسے ہی پھانسنا چاہتی ہو جیسے تمہارے باپ نے میری بھولی ماں کو شیشے میں اتارا۔"

"میں آپ کی بیوی ہوں کوئی۔۔۔"

وہ لب بھینچ گئی۔ میرے ہونٹوں پر مستقل مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ رات کے اس پہر تم مجھے یہ احساس دلا کر چاہتی کیا ہو؟"

وہ کچھ نہیں تھی اور نہ ہی میں ڈھکی چھپی بات کر رہا تھا وہ قوت گویائی سے محروم تاسف سے مجھے

دیکھتی رہ گئی۔ میں بے پروائی سے میگزین سائیڈ ٹیبل پر ڈال کر لیٹ گیا۔

"لائٹ آف کردو۔"

صبح میں اٹھا تو وہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔ میں نے ایک نگاہ وال کلاک پر ڈالی چھٹی کے روز بھی میں باقی دنوں کی طرح مقررہ وقت پر اٹھتا تھا مگر آج ایک گھنٹہ زیادہ ہو گیا تھا۔

میں فریش ہو کر نیچے آیا تو وہ امی اور طاری کے ساتھ ناشتا کر رہی تھی۔ میں نے کرسی سنبھالتے ہی بغیر کسی کو مخاطب کیے ناشتا طلب کیا تو امی اٹھنے لگیں۔

"میں آپ سے نہیں کہہ رہا.... آپ مجھے کھانے ناشتے سے عاق کر چکی ہیں۔" میں نے بے حد خفگی سے انہیں منع کر دیا۔ وہ جھنجلا گئیں۔

"تو کیا ناشتا خود چل کر تمہارے پاس آئے گا؟"

"میں اب اپنے گھر بار والا ہوں۔ جس کی ذمہ داری ہے وہی ناشتا بنائے گی۔"

میں نے اک نگاہ غلط اس پر ڈالی جو خاموشی سے کپ کے کناروں پر انگلی پھیر رہی تھی۔

"پاگل ہو گئے ہو۔ چند دنوں کی دلہن سے کام کراتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئے گی؟" امی مجھے گھورنے لگیں۔ مگر میرا اطمینان قابل دید تھا۔

"چند دنوں کی دلہن ہے بچی تو نہیں.... اور ویسے بھی اب اسے ہی میرے کام کرنے چاہئیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ میں بنا کر لاتی ہوں ناشتا۔" وہ میری باتوں کو در خور اعتنا جان کر اٹھیں تو میں نے ترپ کا پتا استعمال کیا۔

"امی آپ سمجھ کیوں نہیں جاتیں کہ میں اس کے ہاتھ کا ناشتا کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"جب وقت آئے گا کر لینا ابھی تو میں کبھی پسند نہیں کروں گی کہ پرنیہ کچن میں جائے۔" وہ قطعی انداز میں بولیں تو میں اٹھ کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"یہ اس گھر میں میرے لیے آئی ہے تو کام بھی میرے کرے گی۔" میں نے ہٹ دھرمی سے کہا۔ مجھے علم تھا کہ ذرا سی نرمی دکھائی تو وہ....

"مل بیٹھیں گی۔"

"ریلیکس بھائی! کیا پرابلم ہے؟"

طاری نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا تو میں نے بے رخی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تم نے ناشتا کر لیا نا.... اب سدھارو جدھر سدھارنا ہے۔" میرے دل کی جلن زبان تک آ گئی تو وہ ہنسنے لگا۔

"دیکھو تابی! اسے ابھی ان کاموں کا نہیں پتا میں خود...."

امی نے اب پیار کے ہتھیار سے کام لینا چاہا مگر میں نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"چاہے جو بھی ہو جیسا بھی ہو ناشتا پرنیہ ہی بنائے گی.... ورنہ میں گھر سے کچھ نہیں کھاؤں گا۔"

میرے اٹل لہجے پر امی سر پکڑ کر بیٹھ رہیں اور پرنیہ کی تو شکل نو بجے ہی بارہ بجانے لگی تھی صورت حال مکمل طور پر میرے قابو میں دیکھ کر وہ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق کچن کی طرف بڑھی تھی۔

"بہت برا کر رہے ہو تابش.... تمہیں تو خود اصلاح کی ضرورت ہے۔" امی مجھ سے خفا ہو کر چلی گئیں تو میں سکون سے بیٹھ گیا۔ تب طاری پھر سے اپنی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ میں نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا اور میرا لہجہ بھی میری نظروں سے مختلف نہیں تھا۔

"کیا ہے اب جا کیوں نہیں رہے؟"

"بھئی میں بھی تو دیکھوں ایسا کون سا شان دار ناشتا ہے۔ جس کی خاطر آج بڑے بھائی نے امی کا ناشتا چھوڑ دیا۔" وہ خفیف سی شوخی سے بولا تو میں چیخ گیا۔

"مائنڈ اٹ! میں نے نہیں چھوڑا انہوں نے خود ہی منع کیا تھا۔"

"لیکن اس میں بھابی کا کیا قصور ہے؟" وہ اب قدرے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"سارا قصور اسی کا ہے نہ وہ ہوتی اور نہ ہی امی کو مل بیٹھنے کی ترکیب سجھائی دیتی۔"

میں کچھ اس قدر سلگ کر بولا کہ طاری بے اختیار

قہقہہ لگا بیٹھا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد وہ کچن سے برآمد ہوئی اس نے ٹرے میرے سامنے لا کر رکھی تو میں نے محسوس کیا کہ اس کا انداز ہچکچاہٹ آمیز تھا۔

"یہ... یہ کیا ہے؟"

میں نے پلیٹ میں پڑی اپنی حالت پہ نوحہ کناں عجیب الخلقت سی شے کو دیکھ کر حیرانگی سے پوچھا تو اس نے حسب عادت انگلیاں چٹخائیں۔ ایک نظر طاری کو دیکھا تو وہ ہنسی روکنے کی کوشش میں سرخ ہوا جا رہا تھا۔

"یہ... انڈہ ہے۔" مجھ سے زیادہ اس نے خود کو یقین دلایا تھا۔

"یہ انڈہ "تھا" میں نے تصحیح کی پھر الجھ کر پوچھا۔

"مگر اب یہ کیا ہے؟"

"یہ فرائی کیا ہے میں نے۔" مجرمانہ انداز میں بتایا تو مجھے بے حد صدمہ پہنچا۔

"اتنا سیاہ اور جلا ہوا؟"

"میں نے خود تھوڑی کیا ہے؟" طاری کی ہنسی نے اسے روہانسا کر دیا۔

"مرغیوں کا ذوق اتنا خراب نہیں ہوتا۔" میں نے غصے سے پلیٹ پرے کھسکا دی۔ میں نے کپڑے میں لپٹے پراٹھے کو منظر عام پر لانے کا قصد کیا ہی تھا کہ طاری نے مجھ سے زیادہ تیزی دکھادی اور اس نے آٹے سے جو بھی چیز بنائی تھی اسے پراٹھے کے علاوہ ہر نام دیا جا سکتا تھا۔ ویسی شکل میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جیومیٹری میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ طاری کا قہقہہ اور میرا غصہ دونوں ہی بے ساختہ تھے۔

"آپ مجھے جیسا آتا ہے ویسا ہی بناؤں گی نا۔"

اس کی آنکھوں میں فوراً" ساون اترنے لگا۔

میرے بگڑتے موڈ کا اندازہ ہوتے ہی طاری وہاں سے فرار ہو گیا مگر جاتے جاتے وہ انگلی اور انگوٹھے کو جوڑ کر

"ونڈر فل!" کا اشارہ کر کے مجھے مزید تپا گیا۔

"آپ اپنے باپ کے گھر کے عیش بھول جاؤ۔ کل سے تمہیں یہ سب کرنا پڑے گا۔ یہ نخرے میں نہیں دیکھنے والا۔"

ایک تو بھوک لگی تھی اوپر سے غصہ آ رہا تھا یعنی جلتی پہ تیل کا سا کام ہوا تھا۔

"اتنی جلدی تو نہیں آجائے گا نا یہ سب۔" وہ قدرے زچ ہو کر بولی تو میں تلملا اٹھا۔

"چائے ہی بنا دو پھر... وہی پی مرلوں۔"

اس نے بے حد خاموشی اور اطمینان سے چائے کپ میں ڈال کر میرے آگے رکھ دی۔

♣ ...... ✳ ...... ♣

چپراسی نے مودبانہ انداز میں وزیٹنگ کارڈ لا کر میرے سامنے رکھا تو سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد مجھے ایک بار پھر دھیان سے دیکھنا پڑا۔

"بھیجو انہیں اندر اور تھوڑی دیر کے بعد چائے اور ساتھ میں کچھ لے آنا۔" میں نے چپراسی کو فارغ کیا اور خود فائل بند کر کے ریوالونگ چیئر سے ٹیک لگا کر قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد "ریاض الرحمٰن" میرے مقابل موجود تھے۔ میں ان کے استقبال میں کھڑا نہیں ہوا۔ اندر داخل ہوتے ہی سلام بھی انہوں نے ہی کیا میں نے فقط سلام کا جواب دیا تھا۔

"تشریف رکھیے۔" میرا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی کاروباری شخصیت مجھ سے ملنے آگئی ہو۔ بیٹھتے ہی انہوں نے تمہید باندھی۔

"دراصل میں کئی روز سے آنا چاہ رہا تھا مگر مصروفیت اتنی تھی کہ بس..." میں نے ان کی بات کے جواب میں مخصوص "میزبانانہ" جملے کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ بس استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھتا رہا۔

"دراصل میں خدیجہ کے سامنے تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔" وہ وضاحتاً" بولے تو میں چیئر پر جھولتے ہوئے گویا ہوا۔

"ایسی کون سی بات ہے جو امی کے سامنے نہیں ہو سکتی؟"

"دراصل... بیٹا بات یہ ہے کہ پری میری اکلوتی

بیٹی ہے۔" انہوں نے بہت نرمی سے بات شروع کی۔
"بلکہ بہت منتوں اور مرادوں سے ہمیں ملی ہے کیوں کہ وہ شادی کے آٹھ سال بعد ہماری دنیا میں آئی تھی۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس سے بہت محبت ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہر ماں باپ کو اپنی اولاد پیاری ہوتی ہے۔" میں نے شانے اچکائے۔

"لیکن پری کی اور بات ہے۔ میں اسے دکھ یا پریشانی میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا۔"

"کوئی بھی اپنی اولاد کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتا ریاض صاحب!" میں نے یکلخت آگے جھکتے ہوئے ٹیبل کی گلاس ٹاپ پر بازو رکھتے ہوئے رسان سے کہا۔ "جب خدا نے ہمارے سر سے باپ کی شفقت کا سایہ ہٹایا تب ہم پر بہت برا وقت آن پڑا تھا۔ ہم بھوک سے بے حال بلکتے تو ہماری ماں بھی ہمیں دیکھ دیکھ کر رویا کرتی تھی۔"

میری بات اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ وہ زرد رنگت اور پسینے سے چمکتی پیشانی لیے مجھے دیکھتے رہ گئے۔ تبھی چپراسی چائے اور دیگر لوازمات کا سامان لے آیا۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ اس نے چائے کے کپ ہم دونوں کے آگے رکھے تو میں نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"ہاں تو۔۔۔ آپ کچھ کہہ رہے تھے۔"

میں نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے بہت سکون سے بات شروع کی۔

"تم سے بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں تابش بیٹا۔۔۔ اور پھر معاف کر دینے ہی میں عظمت ہوتی ہے۔"

وہ میری اور میں ان کی ڈھکی چھپی باتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ میں نے انہیں "ریاض صاحب" کہہ کر ہی ان پر اپنی بیگانگی واضح کر دی تھی۔

"جی بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔۔۔ مگر کچھ گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا بھگتان انسان کو دنیا ہی میں بھگت کر جانا پڑتا ہے دوسرے لفظوں میں اسے مکافات عمل بھی کہتے ہیں۔ آپ چائے لیں ہمارے ہاں کی چائے بہت اچھی ہوتی ہے۔"

میں نے دوستانہ انداز میں بات کرتے ہوئے اچانک ٹریک بدلا تھا۔ وہ خاموش بیٹھے رہ گئے۔

"تابش تمہیں پرنیہ کا خیال کرنا چاہیے وہ بہت نازوں میں پلی ہے اور تمہارا رویہ۔۔۔"

وہ بے بسی سے گویا ہوئے تو میں درمیان ہی میں ان کی بات کاٹ گیا۔

"وہ میری بیوی ہے اور یہ میرا پرسنل معاملہ ہے کہ مجھے اسے کیا حیثیت دینی چاہیے اور کیا نہیں۔ ویسے ریاض صاحب ایک دولت مند شخص کی امداد کی زیادہ ضرورت کسے ہوتی ہے اس کے کاروبار کو یا اس کے یتیم غریب روتے بلکتے بھانجوں کو؟"

میرے لہجے میں خفیف سی کاٹ اتر آئی تھی۔ اور وہ سر جھکائے میرے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کے پاس میرے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ میں ان کی بے بسی و بے چارگی سے بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہ خدا کی قدرت تھی کہ اس نے ریاض الرحمٰن جیسے انڈسٹریلسٹ کو یوں میرے سامنے بے بس کر کے رکھ دیا تھا جو کسی کو در خور اعتنا نہیں جانتا تھا۔

"اگر میں۔۔۔ تم سے معافی مانگ لوں اپنی غلطیوں کی تو۔۔۔؟" انہوں نے اچانک ہی بے حد تھکے ہوئے انداز میں کہا تو مجھے اس سنگ دل شخص کے یک دم ڈھے جانے پر حیرت سی ہوئی۔ مگر میں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"اب وقت گزر چکا ہے ریاض صاحب! پلوں کے نیچے سے ہی نہیں اوپر سے بھی جانے کتنا پانی گزر چکا ہے۔ معافی تلافی کی تو گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ نہ تو میں آپ کی "نوازشات" بھول سکتا ہوں اور نہ ہی آپ کے "احسانات" میری ماں کو بچھڑے رشتے یاد آتے تھے مجھے نہیں۔ اور آپ کی بیٹی سے شادی کا احسان صرف میں نے اپنی ماں کی محبت میں کیا ہے۔ اس سے زیادہ کی آپ مجھ سے توقع مت رکھیے گا۔"

میں حد سرد و سپاٹ انداز میں کہتا ان کی امیدوں پر

پانی پھیر گیا۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں تابش۔۔۔ تم لوگ یقیناً ہر طرح سے میری ذمہ داری تھے مگر بیٹا میں خدیجہ سے معافی مانگ چکا ہوں اور اس کی سب سے بڑی ضمانت میری بیٹی ہے۔ میں نے اپنے گناہوں کی تلافی کرنے کی کوشش کی ہے۔"

وہ اپنی سچائی اور مخلصی ظاہر کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ اور انہیں یوں بے بسی و بے چارگی کے حصار میں دیکھنا میرے لیے دنیا کی سب سے بڑی خوشی تھی۔ میں نے ان کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بسکٹوں کی پلیٹ اٹھا کر ان کے سامنے رکھی۔

"یہ لیجیے۔۔۔ مہمان چاہے کوئی بھی ہو اچھی میزبانی ہمارا وصف ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو وہ کچھ بولے بغیر اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔ میرے مسکراتے لب سکڑ گئے اور میں نے پر سوچ نگاہیں ان کے چائے کے کپ پر جما دیں جسے انہوں نے چھوا بھی نہیں تھا۔

رات کا کھانا میں نے خاموشی سے کھالیا۔ کیوں کہ پرنیہ کے ہاتھ کا کھانا کھانے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی۔ کھانے کے دوران میں منتظر رہا کہ شاید امی اپنے بھائی صاحب کے کسی فون وغیرہ کا ذکر کریں مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔

"آج تمہارے والد صاحب آئے تھے۔" کمرے میں آتے ہی میں نے کھاتہ کھول لیا تو بستر جھاڑتی وہ ٹھٹکی۔

"میں نے بہت خاطر تواضع کی ان کی مگر وہ چائے تک پیے بغیر چلے گئے۔" میں بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا تو اس کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی۔

"کیا کرنے آئے تھے وہ؟" وہ بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اس کے لہجے میں بے چینی سی تھی۔

"تمہاری سفارش کرنے آئے تھے۔" میں طنزیہ انداز میں بولا۔ وہ حیرت و بے چینی سے مجھے دیکھنے لگی۔

"کیسی سفارش۔۔۔؟"

"یہی کہ میں تم پر ظلم و ستم نہ کروں۔ تمہیں ملکہ بنا کر رکھوں۔ تمہارے ناز اٹھاؤں وغیرہ وغیرہ۔" میرے لب و لہجے سے جھلکتا طنز استہزاء اس سے مخفی نہیں رہ سکا۔

"آپ۔۔۔ آپ نے ان سے۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ کیسے بی ہیو کیا ان سے؟" وہ یکلخت ہی اضطراب میں گھر گئی تھی۔

"جیسے سلوک کے وہ حق دار تھے ویسا ہی سلوک کیا ہے۔" میں نے بہت اطمینان سے کہا تو وہ کتنی ہی دیر سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"دیکھیں آپ کو میں اچھی نہیں لگتی۔۔۔ آپ کی مرضی کے خلاف آپ کی شادی کر دی گئی ہے تو اس میں سارا قصور میرا ہے۔ آپ مجھ سے جو سلوک چاہیں کریں مگر پلیز۔۔۔! پپا سے کچھ مت کہیے گا۔" اس کے رندھے ہوئے لہجے میں التجا تھی میرے اندر ٹھنڈک اترنے لگی۔

"تو گویا اب تم بتاؤ گی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں؟" میں نے خوامخواہ ہی تیوریاں چڑھالیں تو وہ گھبرا گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔"

"تمہارا یہی مطلب ہے۔ تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے اشاروں پر ناچنا شروع کر دوں۔ تمہارے باپ کے احسان تلے دبا رہوں کہ اس نے مجھے اپنی فرزندی میں لے لیا ہے۔" میں تلخی سے بولا تو میرے اونچے لہجے سے گھبرا کر وہ رو دی۔

اس گھر میں رہنا ہے تو اسی طرح رہنا ہوگا جیسے میں چاہوں گا۔ ورنہ تم بہت شوق سے اپنی راہ الگ کر سکتی ہو۔" میں بے حد سفاکی سے بولا تو وہ رونا بھول کر مجھے دیکھنے لگی۔

"تابش۔۔۔!"

اس کے انداز میں دکھ اور تاسف تھا مگر مجھے ذرا بھی احساس نہیں ہوا۔ میرا بس یہی جی چاہتا تھا کہ میں ریاض الرحمن کو زیادہ سے زیادہ دکھ دوں تاکہ اسے

ہماری مجبوریوں کا احساس ہو اور وہ پچھتائے۔

♣ —— * —— ♣

ولیمہ کے بعد وہ ایک ہی دفعہ امی کے ساتھ میکے گئی تھی۔ اس کے بعد میں ہزار امی کے کہنے پر بھی اسے لے کر نہیں گیا۔ ہر دفعہ میں نے بہانوں میں بات ٹال دی مگر اب امی کا غصہ اس قدر تجاوز کر چکا تھا کہ مجبوراً مجھے یہ ناگوار ذمہ داری سرانجام دینی ہی پڑی۔

"بہت شوق ہے تمہیں ماں باپ کے گھر جانے کا... وہیں کیوں نہیں رہ جاتیں؟"

میں نے سارا غصہ تلخی کی صورت اس پر انڈیلا تو وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔ میں نے تلملا کر اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

"زندگی جہنم بن گئی ہے میری۔ ہنہ۔"

سارا راستہ خاموشی میں کٹا۔ بلند سیاہ گیٹ کے آگے میں نے گاڑی روکی تو وہ استعجاب سے مجھے دیکھنے لگی۔

"ہارن بجائیں ناں۔"

"کوئی ضرورت نہیں... تم اترو اور اندر چلی جاؤ۔" میں روڈلی بولا میرا اندر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"تابش میں آپ کے ساتھ بھاگ کر نہیں گئی تھی ہمارا نکاح ہوا تھا۔" اس کے انداز میں تلخی تھی۔ میں نے اسے گھورا۔

"اور میں بھی تمہیں اپنی مرضی اور پسند سے لے کر نہیں گیا تھا۔"

"آپ اندر میرے ساتھ چلیں گے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر واپس چلے چلتے ہیں۔" وہ بہت ضبط سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ تو میں کچھ دیر اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتا رہ گیا۔ پھر پتا نہیں کس جھونک میں میں نے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔

اندر ہمارا بہت پرجوش استقبال ہوا۔ نشاء بھی آئی ہوئی تھی اس لیے مجھے مجبوراً ہونٹوں کو مسکراہٹ سے سجائے رکھنا پڑ رہا تھا۔ ماموں صاحب قدرے خاموش تھے۔ پرنیہ ماں کی بجائے باپ کے پاس بہت لاڈ سے ان کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی جب کہ میں نشاء کی تنقید کی زد میں تھا۔

"آپ تو واقعی لے کر بھاگے ہوئے لگتے ہیں تھا کہ بیٹی کی شادی کے بعد داماد کی شکل میں بیٹا مل جاتا ہے مگر آپ تو ہماری بیٹی کو بھی چھین رہے ہیں۔" بہت طنز سے کہہ رہی تھی میں خفیف سا ہو گیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم پرنیہ سے پوچھ لو میں کتنا مصروف رہتا ہوں۔" میں نے اس کے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی۔

"وہ تو ظاہر ہے آپ کی ہی حمایت کرے گی۔ بیوی جو ہوئی آپ کی..." وہ چہک کر بولی تو مجھے ہنسی آگئی۔

"یہ تو طے ہے کہ میں جتنی بھی وضاحتیں کروں گا تم ان کو مزید الجھاتی جاؤ گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم خود سے ہی میرے نہ آنے کی وجہ سوچ لو۔" میں نے قدرے بے بسی سے کہا تو چند لمحے میری بات پر غور کرنے کے بعد وہ ہنس دی۔

"یہ ہوئی نا بات.... سسرال میں آ کر ہمیشہ یونہی بات کرنی چاہیے۔" اس وقت اگر نشاء وہاں موجود نہ ہوتی تو میں پہلے کی طرح وہاں کا دانہ پانی حرام سمجھ کر اٹھ آتا مگر اس کی موجودگی میں جب پرنیہ نے چائے بنا کر کپ میری طرف بڑھایا تو میں نے خاموشی سے تھام لیا۔

"ویسے آپ کے اس دوست کا کیا حال ہے؟" وہ قدرے سرگوشی میں یقیناً فیصل ہی سے متعلق پوچھ رہی تھی۔ اس کی بولڈ نیس کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے میں نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"کس کی بات کر رہی ہو تم؟" میرے یوں انجان بننے پر وہ قدرے چڑ گئی۔

"وہی جو سب سے بے وقوف تھا۔"

"اس کی تو شادی ہو گئی ہے۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"میں آپ کی بات نہیں کر رہی۔" وہ برجستہ بولی تو مجھے ہنسی آگئی۔

"آپ یہ کیک لیجیے نا۔" پرنیہ میری طرف متوجہ

ہوئی تو ہمارا سلسلہ تکلم ٹوٹ گیا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" میں نے بہت شائستگی سے انکار کیا۔

"خبردار جو آپ نے ان فضول سے تکلفات میں پڑنے کی کوشش کی تو۔۔۔۔" نشاء نے مصنوعی خفگی سے مجھے گھورا تو میں مسکرادیا۔

"چلو تم کہتی ہو تو لے لیتا ہوں ورنہ کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" میری بات پر وہ اپنے مخصوص قہقہہ بار انداز میں ہنس دی۔ پھر پرینہ سے مخاطب ہوئی۔

"ذرا سنبھال کر رکھوا نہیں۔ یہ تو بہت تیز جا رہے ہیں۔" وہ چائے کے گھونٹ بھرتی بس نرمی سے مسکرادی۔

"امیزنگ۔۔۔" نشاء نے شانے جھٹکے تھے۔

"خالہ کتنا بدل گئی ہے پری۔"

"اب تو پہلے کی طرح چٹاخ پٹاخ بولتی بھی نہیں۔"

"بس شادی کے بعد سبھی ایسی ہوجاتی ہیں۔" ممانی صاحبہ نے بیٹی کو پیار سے ساتھ لگایا تھا۔ مجھے اس مصنوعی سے ماحول سے بہت الجھن ہو رہی تھی۔ وہ تینوں خوش نہیں تھے مگر ظاہر کر رہے تھے۔

ممانی صاحبہ میری جاب سے متعلق پوچھنے لگیں۔ بیچ بیچ میں ماموں صاحب بھی ایک آدھ بات کرلیتے۔ اتنی توجہ سے میرا دل گھبرانے لگا۔ مجھے غصہ آرہا تھا کہ وہ لوگ جیسے نہیں ویسے خود کو کیوں ظاہر کررہے ہیں۔ دوپہر کے کھانے سے پہلے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"خبردار جو آپ نے جانے کا نام بھی لیا تو۔" نشاء نے مجھے گھورتے ہوئے پرنیہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایک تو اتنے دنوں کے بعد تشریف لائے ہیں اوپر سے چند گھڑی بیٹھنے کے بھی روادار نہیں۔"

"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ صبح سے ہم ادھر ہی بیٹھے ہیں۔" میں مسکرایا۔

"تو ان شاء اللہ کل صبح تک ادھر ہی بیٹھے رہیں گے۔" وہ آرام سے بولی تو میں نے قدرے استعجاب سے اسے دیکھا۔

"یعنی کہ آج آپ یہیں رہیں گے۔" وہ دھونس بھرے انداز میں بولی تو میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔

بعض اوقات آپ کے چاہنے والے بہت مخلصی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں مگر وہ بے چارے یہ نہیں جان پاتے کہ اس کے نتیجے میں آپ کو کتنا برداشت کرنا پڑتا ہے۔

"مجھے صبح آفس بھی جانا ہے۔" میں نے قدرے توقف سے کہا اور ایک اچٹتی نگاہ پرنیہ پر بھی ڈالی۔

"میں پھر آجاؤں گی۔ پاس ہی تو گھر ہے۔" اس نے بھی میری نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا تھا۔

"توبہ۔۔۔ پری کتنا بدل گئی ہو تم۔" نشاء حیران ہو اٹھی۔

"لگتا ہی نہیں کہ تم وہی پرنیہ ریاض ہو جو ہمارے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی تھی۔" وہ قدرے خفا تھی۔

"تابش اگر تم مناسب سمجھو تو یہیں رکے رہو ورنہ پرنیہ کو رکنے دو۔ اتنے دنوں کے بعد آئی ہے۔"

ممانی صاحبہ بڑے شیریں انداز میں کہہ رہی تھیں مگر ان کے چہرے کا تناؤ میری نظروں سے چھپا نہیں رہ سکا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ میرا اب پرنیہ کے بغیر گزارہ نہیں ہے۔ مجھے تو اس نے بس بگڑا ہوا بچہ بنادیا ہے۔ میرا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے کیوں پرنیہ؟" میں نے بہت بشاشت سے کہتے ہوئے آخر میں اس سے گواہی دلوائی تو وہ سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولی۔

"جی۔۔۔۔ واقعی ان کو بہت پرابلم ہوگی۔" پھر وہ ماں سے مخاطب ہوئی۔

"پرامس مما میں ایک دو دن میں پھر آؤں گی تو ضرور رہوں گی۔ ابھی تو بس ہم یونہی ملنے چلے آئے تھے۔ رہنے کا تو پروگرام ہی نہیں تھا۔"

اس کے بعد امی نے سارا معاملہ سنبھالا مگر اتنا ضرور ہوا کہ دوپہر کا کھانا ہمیں وہیں کھانا پڑا۔ کھانے کے دوران میں صرف نشاء سے گپ شپ لگاتا رہا جو

میری دائیں سائیڈ پر براجمان تھی۔ اس کی شوخی و برجستگی واقعی فیصل کے جوڑ کی تھی۔ میں نے کئی بار اسے فیصل کی بے قراری سے متعلق بتایا تو وہ بہت شوخی سے میری بات اڑا گئی۔ اس دوران ماموں صاحب ممانی جان کی پریشان نظریں خود پر محسوس کر کے میں اندر ہی اندر خوش ہو رہا تھا۔ وہ یقیناً نشاء سے میری اتنی بے تکلفی کا تعین کرنے میں مصروف تھے۔

"ہم اپنے والدین کو سمجھا نہیں سکتی تھیں۔ خوا مخواہ اتنا ٹائم ویسٹ کروا دیا میرا۔" مین روڈ پر گاڑی لاتے ہی میں اس سے الجھنے لگا۔

"وہ صرف میرے والدین نہیں آپ کے بھی کچھ لگتے ہیں۔" وہ پتا نہیں کتنا ضبط کر رہی تھی قدرے غصے سے بولی تو میں نے فوراً اس کی نفی کر دی۔

"وہ صرف تمہارے ماں باپ ہیں۔ اس شادی سے پہلے انہوں نے مجھ سے کوئی رشتہ تعلق نہیں رکھا تھا اس لیے مجھ سے ان کا رشتہ فقط تمہارے توسط بنتا ہے۔"

"آپ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تو میں مسکرا دیا۔

"تو گویا اب مجھے تمہارے مرتب کیے ہوئے اصول و ضوابط کے مطابق کرنا پڑے گا؟"

"ہم اتنے دنوں کے بعد آئے تھے ایک رات ٹھہر جاتے تو کیا قباحت تھی؟" اسے یقیناً میری سنگ دلی کا دکھ تھا۔

"میں اس گھر میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا۔" میں نے تنفر سے کہا تو وہ مزید کچھ بولے بغیر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

اسے گیٹ کے باہر ہی اتار کر میں فیصل کے گھر چلا گیا جہاں آج سب کے جمع ہونے کی توقع تھی۔

♣ ___ ✶ ___ ♣

امی طاری کے ساتھ چار دن کے لیے کھاریاں چلی گئیں تو مجھے خوب اس پر رعب جمانے کا موقع مل گیا۔ میں نے موقع غنیمت جان کر اپنے دوستوں کی دعوت بھی کر ڈالی۔ اور کھانے کا سارا انتظام۔۔۔۔ جی ہاں کھانے کا سارا انتظام پرنیہ ریاض الرحمٰن کے ہاتھوں میں تھا۔

ہم پانچوں کارڈ کھیلنے میں مگن تھے۔ فیصل ہمارے مذاق کی زد میں تھا۔ جب سے اسے پتا چلا تھا کہ نشاء بھی اس کی طرف مائل ہے اس نے میرے کان کھا لیے تھے جب کہ میں ٹال مٹول کیے جا رہا تھا۔

"خود کرا لی اسی لیے یوں ماش کے آٹے کی طرح اینٹھے جا رہے ہو۔" وہ مجھ سے ناراض ہوا تو سارے کارڈز نیچے پھینک دیے۔

"تو بھی کروا لے۔ جو انعام ہم نے لے لیا تو بھی لے لینا۔" اس کی اس حرکت پر عادل تلملا اٹھا تو وہ جذباتی ہونے لگا۔

"تو نے تو کبھی میرے بھلے کی سوچی ہی نہیں۔ یار میرا بھی دل کرتا ہے میری خوب صورت سی بیوی ہو، پیارے پیارے بچے ہوں، میرے بھی کچھ جذبات ہیں آخر میں بھی انسان ہوں۔"

"اوئے نئیں اوئے۔۔۔۔ تجھے کس نے بتایا؟" سعود نے بہت صدمے سے کہتے ہوئے قدرے بے یقینی سے پوچھا تو وہ حیرت سے پوچھنے لگا۔

"کیا کس نے بتایا؟"

"یہی کہ تو انسان ہے۔" سعود کے ساتھ ہم نے بھی قہقہہ لگایا تو وہ کھسیا گیا۔

"بکواس بند کرو۔ میرا کچھ کرو یار۔"

"عادل! کل ہی اس کا بیمہ کرا دے۔" میں نے عادل کو یاد دہانی کرائی تو وہ فیصل کی شکل دیکھ کر میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دیا۔

"کھانا لگ گیا ہے آ جائیں۔"

ابھی شاید ہم اور ہنسی مزاح کرتے مگر پرنیہ کی آواز نے سب کو مسمرائز کر دیا۔ اس کے بعد لاؤنج میں گویا بھونچال آ گیا۔ سب سے پہلے صوفہ پھلانگ کر میں اور عاطف ڈائننگ ٹیبل تک پہنچے۔ عادل اور سعود بے فکری سے فلور کشن پر نیم دراز فیصل کی ٹانگوں سے الجھے مگر بخیر و عافیت وہ بھی ٹیبل تک پہنچ ہی گئے۔

"بڑی خوشبوئیں اٹھ رہی ہیں بھابی! کیا کیا پکایا

"آپ نے؟" عاطف نے کرسی گھسیٹتے ہوئے بہت ندیدے پن سے پوچھا تو وہ بالکل ویٹروں والے اسٹائل میں فرفر بولی۔

"بریانی، قورمہ، مچھلی اور سویٹ ڈش میں فرنی ہے۔"

"واہ... مینو تو زبردست ہے۔" سعود نے چٹخارہ بھرا تو میں نے ہول کر پرنیہ کی شکل دیکھی۔ (جانے کیا کیا بناڈالا ہے)

حالانکہ اس کی شکل سے گھبراہٹ یا پریشانی عیاں نہیں تھی مگر مجھے معلوم تھا کہ برے سے برا کھانا پکا کر بھی وہ یونہی چہرے پر بشاشت طاری کیے رہتی تھی۔ کیوں کہ اسے کبھی شک ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس کی بنائی ہوئی چیز غلط بنی ہے۔

"میں ذرا چائے کے لیے پانی رکھ دوں... آپ شروع کریں۔"

وہ بہت خوب صورتی سے مسکراتی ہوئی ہمیں فری ہینڈ دے کر کچن کی طرف بڑھی تو سب کے ہاتھ پلیٹوں کی طرف بڑھے۔ سعود نے ایک ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا پھر بغور دیکھ کر خوشی سے بولا۔

"شوربے والا سالن بھی ہے۔ سرپرائز۔"

ان کی خوشی اپنی جگہ مگر مجھے معلوم تھا کہ حقیقت کیا ہے۔ جب سے میں نے اس سے کھانا اور ناشتا بنانے کو کہا تھا تب سے میں اس کے تجربوں کی زد میں تھا۔ تبھی سعود نے ڈونگے میں چمچ ہلایا تو فیصل بے حد حیرت سے بولا۔

"مائی گڈنیس! مچھلی شوربے میں؟"

"اوئے جلدی سے کانٹا لاؤ پکڑنے کے لیے۔"

عادل کی ہنسی بے ساختہ تھی عاطف نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کچن کی طرف اشارہ کیا تو میں نے اپنی مسکراہٹ دبالی۔

"مچھلی ہمیشہ پانی میں ہی اچھی لگتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پرنیہ اسے مرنے کے بعد بھی تکلیف نہ دینا چاہتی ہو۔"

"شکر ہے کہ زیادہ رحم دلی نہیں عود کر آئی کیا پتا جار سمیت زندہ ہی سامنے رکھ دیتیں۔" فیصل نے بے اختیار کہا اور پھر ہنس دیا۔

"یہ کیا ہے؟" عاطف نے بدقسمتی سے ڈش کا ڈھکن اٹھا دیا تھا تبھی پرنیہ چلی آئی۔

"ارے آپ لوگ ابھی تک یونہی بیٹھے ہیں کھانا کھائیں ناں۔"

"بھابی! مچھلی تو بہت "خوب صورتی" سے پیش کی آپ نے ویسے یہ کیا ہے؟"

فیصل نے بڑے طریقہ سے پوچھا تو اس نے قدرے خجل ہو کر انگلیاں چٹخائیں۔

"وہ دراصل... یہ میں نے پہلی دفعہ بریانی بنائی ہے۔"

"واؤ... بریانی۔"

سب کی مدقوق آوازوں نے اسے سہما دیا تو وہ کھسکنے لگی۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

"یہ بریانی کم اور "برے کی نانی" زیادہ لگتی ہے۔ اسے سنبھال کے رکھو اور بسنت پر پتنگیں جوڑنا ہے اس سے۔" اس کی بنائی ہوئی روٹیوں کو دیکھ کر وہ پاگلوں کی طرح ہنسے تھے۔

"کتنے دنوں سے کھا رہا ہے یہ سب؟" سعود نے بڑی ہمدردی سے مجھے دیکھا تو میں نے گہری سانس لی۔

وہ سب میری بے چارگی پر افسوس اور ہمدردی کرتے ہوئے کھانا زہر مار کرنے لگے۔ بریانی کے نام پر جو ملیدہ اس نے بنا کر رکھا تھا اسے کسی نے چھوا بھی نہیں شوربے والی مچھلی اور ٹیڑھی میڑھی روٹیوں پر ہی سب کا گزارہ تھا۔ قورمہ اچھا بنا تھا اگر اس کا گوشت گل جاتا تو۔

"بھابی! سویٹ ڈش بھی لے ہی آئیے۔" سعود کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔ جب کہ فیصل کو اپنا مستقبل بھی میری طرح "بدمزہ" دکھائی دے رہا تھا بقول اس کے۔

"ہمسائے میں ہی تو وہ بھی رہتی ہے۔"

"اچھا ہے نا تم لوگوں کو بہت شوق تھا دعوت

اڑانے کا۔ "میرے دل کو ان کے حشر سے بہت تسلی ہو رہی تھی۔ پرنیہ نے اب کی بار قدرے گھبراتے ہوئے سویٹ ڈش لا کر میرے سامنے رکھی۔ (کیوں کہ اب رونمائی کی باری میری تھی) وہ یقیناً سب کے تبصرے اچھی طرح سن چکی تھی۔ میں نے ایک نظر ڈونگے میں تیرتے سفید پانی پر ڈالی پھر دوسری طرف نجل کھڑی پرنیہ پر اور بے حد رسان سے پوچھا۔

"اسے نہیں لائیں اس کے ساتھ؟" بس یہ اس کی برداشت کی حد تھی۔ ٹپ ٹپ... اور اس کے بعد موسلا دھار بارش... وہ سب تو کیا میں بھی بوکھلا گیا۔

"ارے بھابی! یہ خبیث مذاق کر رہا ہے۔" سعود نے بات سنبھالی۔

"کون...؟" آنسوؤں سے لبریز قاتل آنکھیں اٹھا کر پوچھا تو میں نے بے اختیار نظریں پھیر لیں۔

"یہی...." سعود نے فوراً میری طرف اشارہ کیا۔

"آئی ایم سوری! مجھے بس ایسا ہی کھانا بنانا آتا ہے۔" وہ آنکھیں رگڑتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔

"کمال ہے بھابی! اتنا اچھا تو بنایا ہے سب کچھ... اور یہ فرنی تو ابھی کھا جائیں گے ہم... جاؤ فیصل ذرا سوپ والے چمچے لے کر آؤ۔" عاطف نے اس کا دل رکھنے کی خاطر تعریف کرتے ہوئے کہا تو اس کے آخری جملے پر وہ روہانسی ہو گئی۔

"مجھے پتا ہے کچھ بھی اچھا نہیں بنا۔"

"ارے بھابی! ہو جاتا ہے ایسا۔ اب میری مسز کو ہی لیں۔ وہ پورے کا پورا مرغ روسٹ کر دیتی ہے۔ کہتی ہے اس میں کچھ بھرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی پہلے سے ہی بھرا ہوتا ہے۔"

عادل کا دوسروں کا دل بڑھانے کا اپنا ہی انداز تھا۔ مجھے متلی ہونے لگی۔ باقیوں نے بھی اسے حسب توفیق گھورا۔ مگر جس کا دل بڑھانا مقصود تھا وہ حسرت آمیز انداز میں بولی۔

"دیکھا کتنی اچھی کوکنگ کرتی ہیں آپ کی مسز! مجھے تو سالم مرغ بھی روسٹ کرنا نہیں آتا۔"

میں تو سر تھام کر بیٹھا ہی تھا عادل بھی نجل کا

چاروں کی مسکراتی صورتیں دیکھنے لگا۔

"مگر میں چائے بہت اچھی بناتی ہوں۔ آپ لوگ ویٹ کریں میں ابھی آئی۔" وہ اب سنبھل گئی تھی مگر وہ چاروں بوکھلا گئے۔

"نن... نہیں بھابی چائے اب گھر جا کے پئیں گے۔" فیصل بدک کر اٹھا۔

"جی اور ویسے بھی کافی رات ہو گئی ہے۔" عاطف کو اچانک ہی رات ہو جانے کا احساس ہونے لگا تھا۔ میں نے بمشکل ہنسی ضبط کی۔ وہی کھانے کی سب سے زیادہ تعریفیں کر رہا تھا۔ ان کی حالت مجھے مزہ دینے لگی۔

"ارے نہیں... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ پرنیہ نے اتنے خلوص اور محبت سے تم لوگوں کے لیے چائے بنائی ہے۔"

میں نے بے حد محبت سے کہا تو سعود نے پرنیہ سے آنکھ بچا کر مجھے گھونسا بھی دکھایا۔ مگر انہوں نے جب تک وہ کالی بد ذائقہ چائے پی نہیں لی میں نے انہیں اٹھنے نہیں دیا۔

"تیرا ہی حوصلہ ہے بھائی...!" فیصل سر ہلا رہا تھا۔

"جانے اس کیچڑ آلود پانی میں بے چاری مچھلی کی کیا حالت ہو رہی ہو گی۔" سعود نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تھا۔ گاڑی گیٹ سے نکلنے لگی تو میں نے بعجلت عادل کو روکا۔

"اب کون سا آئٹم بچا ہے؟" عاطف سہم گیا۔

"وہ... میں پوچھنا چاہ رہا تھا تم لوگوں کے کمروں کے ساتھ باتھ روم تو ہیں نا؟"

میں کھڑکی میں جھک کر بہت شرارت سے بولا اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا ورنہ سعود کا مکا یقیناً میری بتیسی توڑ دیتا۔

گیٹ بند کر کے آتے ہوئے بھی مجھے بہت ہنسی آ رہی تھی۔ آئندہ وہ لوگ کبھی بھی گھر پر مجھ سے دعوت کی فرمائش نہیں کرنے والے تھے۔

وہ یقیناً برتن دھو کر کچن صاف کر کے کمرے میں

آئی تھی۔

"تم بے حد پھوہڑ لڑکی ہو۔" میں نے فتویٰ دیا تو وہ صدمے سے مجھے دیکھنے لگی۔

"دیکھیں اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ آپ کو پتا تھا کہ مجھے یہ سب نہیں آتا پھر بھی آپ نے اپنے دوستوں کو بلا لیا۔"

"اب کیا ساری زندگی تم یونہی پانی میں مچھلی کو تیراتی رہوگی؟" میں نے طنز کیا تھا۔

"یہ دیکھیں... دو دفعہ میرا ہاتھ اور یہ کلائی جلی ہے۔ پھر بھی آپ..." وہ نمکین لہجے میں بولتی بولتی رک گئی تو میری نظر پل بھر کو اس کی دودھیا کلائی پر ٹھہر گئی۔

"میں نے یہ سب کبھی نہیں کیا۔ پپا نے مما نے کبھی مجھے..." وہ مجھے بتانے لگی تھی کہ وہ کتنے نازوں میں پلی ہے مگر اس کی آواز نے ساتھ نہیں دیا یقیناً اسے اپنے ماں باپ کے گھر کا سکون اور پیار یاد آگیا تھا وہ پلکیں جھپکتی یقیناً آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کررہی تھی۔

میں نے چند لمحوں تک گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ کاٹن کے سیاہ پلین سوٹ میں وہ دمک رہی تھی۔ اس کا حسن نگاہوں کو خیرہ کردینے والا تھا تب میں نے اپنے آپ سے اعتراف کیا کہ اگر میں اپنی سطح سے ذرا سا نیچے آجاتا تو بہت حسین زندگی گزار سکتا تھا مگر... ہائے انا و خودداری۔ میں اس پر سے نظریں ہٹا کر نیم دراز ہوگیا۔

"صبح مجھے جلدی اٹھا دینا۔" میں نے تحکمانہ انداز اپنایا۔

"کتنی جلدی؟" وہ فوراً خود کو سنبھال گئی تھی۔

"یہی کوئی پانچ بجے۔" میں اطمینان سے بولا تو اس کی جماہی رک گئی۔

"پانچ بجے...؟"

"کیا پہلے کبھی پانچ نہیں بجے؟" میں نے طنزاً کہا تو وہ قدرے جھجکچائی۔

"وہ... آپ مجھے جگا دیجیے گا صبح... پھر میں..."

آدھے فقرے کے بعد ہی اسے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تو وہ لب دانتوں تلے دبا کر مجھے دیکھنے لگی۔

"واہ... یعنی میں تمہیں جگا کر سو جاؤں پھر تم مجھے جگاؤ گی۔" میں نے بے حد طنز سے کہا تو وہ مجرمانہ انداز میں بولی۔

"وہ... میں کبھی اتنی صبح نہیں جاگی۔"

"تو صبح یہ تجربہ بھی کر کے دیکھ لو کہ کیا فرق پڑتا ہے اس سے۔" میں نے بازو آنکھوں پر رکھتے ہوئے آرام سے کہا۔

"آپ کبھی جاگے ہیں اتنی صبح؟" وہ قدرے جھنجلائی۔

"مجھے امی جگاتی تھیں۔" میں نے اطلاع عام کی۔

"مگر مجھے کوئی بھی نہیں جگاتا تھا۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔ مگر میں اسے کوئی چھوٹ دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

حسب عادت اذان کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی مگر میں سستی سے لیٹا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کروٹ لی تو پرنیہ بستر پر نہیں تھی۔ باتھ روم کے ادھ کھلے دروازے سے جھانکتی روشنی نے مجھے حیران کردیا۔ میں نے سر اونچا کر کے دیکھا تو وہ جائے نماز بچھائے سجدہ ریز تھی۔ اس کی سحر خیزی میرے لیے بالکل نئی بات تھی۔

وہ سلام پھیر کر دعا مانگنے لگی اس کے بعد مصلاتہ کر کے میری طرف آئی میں یونہی آنکھیں موندے ہوئے تھا مگر اس کی تمام حرکات مجھے محسوس ہورہی تھیں۔ وہ چند لمحے یونہی مجھے دیکھتی رہی... پھر آہستگی سے میرے پاس بیٹھ گئی۔

"تابش!" دھیمے سے لہجے میں اس نے مجھے پکارا مگر میرا اتنی جلدی اٹھنے کا قطعی ارادہ نہیں تھا۔ تب اس نے شاید میری پکی نیند کا اندازہ کرلینے کے بعد بڑی نرمی سے میرے الجھے بکھرے بالوں میں انگلیاں چلا کر انہیں سلجھایا یہ میرے لیے اک عجب سا سنسنی آمیز تجربہ تھا۔ میری نیند واپس لوٹنے لگی۔ اس نے بڑی ملائمت سے اپنی نازک انگلیوں سے میری آنکھوں کو

چھوا میرے چہرے پر سے ہوتا ہوا اس کا ہاتھ جب تک میرے ہونٹوں تک پہنچا تب تک میری برداشت جواب دے چکی تھی۔ میں نے یک بارگی منہ کھول کر اس کی انگلیاں دانتوں تلے دبائیں تو وہ ہلکی سی چیخ مار کر اٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے مندی آنکھیں "بمشکل" کھولتے ہوئے بے خبری سے پوچھا۔

"وہ میں.... وہ ٹائم۔"

وہ بے حد متوحش و ہراساں تھی۔ شاید اپنا آپ کھل جانے کے خوف سے۔

"کیا ہوا ہے ٹائم کو؟" میں جمائی لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا تو وہ یہ جان کر کہ "کاٹ کھانے والی" حرکت مجھ سے نیند میں سرزد ہوئی ہے ذرا سنبھلی۔

"پانچ بج گئے ہیں۔"

"تو اس میں ایسی کیا نئی بات ہے؟" میں نے اسے گھورا۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنا دوسرا ہاتھ دبا رہی تھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ کو جگا دوں۔" وہ مجھ سے نظریں ملائے بغیر بولی تو میں مسکراہٹ دباتا اٹھ کھڑا ہوا۔

♣ ...... ✳ ...... ♣

شام کی چائے کے بعد میں بہت ضروری فائل کی اسٹڈی کر رہا تھا جب فون کی بیل نے مجھے ڈسٹرب کر دیا۔ میں نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف ماموں صاحب تھے۔

"جی فرمائیے؟" میں نے بنا سلام ودعا کے پوچھا تو چند ثانیوں کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔

"کیا حال ہیں بیٹا؟" انہوں نے خود ہی پوچھا تو میں نے گہری سانس لی۔

"میں تو خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟"

"خدا کا شکر ہے بس... کیا اس وقت میں پری سے بات کر سکتا ہوں؟" وہ بہت عاجزی و انکساری سے بات کر رہے تھے میرے دل میں فرحت و انبساط کی لہریں موجزن ہو گئیں۔

"ویسے تو وہ ابھی فارغ نہیں ہے... کچن میں کام کر رہی ہے۔" میں نے جان بوجھ کر انہیں بتایا تو وہ بے یقینی سے بولے۔

"واٹ....! پرنیہ.... کچن میں کیا کر رہی ہے؟"

"ظاہر ہے کھانا بنا رہی ہے۔" میں آرام سے بولا۔

"لیکن.... اسے تو یہ سب نہیں آتا۔" وہ یقیناً صدمے کی گرفت میں تھے۔

"آجائے گا سب کچھ.... دو دفعہ ہاتھ اور کلائی جلی ہے بس... لوگوں کی تو پوری کی پوری بیٹیاں جل جاتی ہیں۔" میں اس لمحے بے حد سفاک ہو رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر خاموش رہے۔

"مگر تابش تم نوکر افورڈ کر سکتے ہو۔"

"ضروری نہیں کہ جو چیز ہم افورڈ کر سکتے ہوں وہ گھر میں لے بھی آئیں۔ تو میں ایک اور بیوی بھی افورڈ کر سکتا ہوں۔" میں نے بے حد سکون سے کہا تو وہ قدرے توقف سے بولے۔

"پری کو بتا دینا کہ میں آ رہا ہوں۔"

"خدا حافظ!" میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ چشم تصور سے میں ریاض الرحمٰن کو تلملاتے دیکھ سکتا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ میرے مقابل موجود تھے۔

"تم مجھے جو کہو گے میں کرنے کو تیار ہوں مگر تم میرے کیے کی سزا میری بیٹی کو مت دو۔"

"ایسا کیا کر دیا ہے میں نے؟" میں نے کمال معصومیت سے انہیں دیکھا۔

"ہمارے ہاں تو ایسے تمام کام بیویاں ہی کرتی ہیں۔"

"لیکن اسے ابھی یہ سب نہیں آتا۔ تم اسے کچھ ٹائم دو وہ سیکھ جائے گی آہستہ آہستہ۔" وہ مجھ سے نظریں نہیں ملا رہے تھے۔ میں آرام سے بولا۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے... وہ آہستہ آہستہ سیکھ رہی ہے۔"

"تابش میں نے پرنیہ کی شادی اس گھر میں اس

لے لی تھی کہ میں اپنی بہن سے اپنے رویے کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بار میرے سامنے جھولی پھیلائی تو میں نے اسے خالی نہیں لوٹایا۔ شاید کبھی پہلے ہی وہ میرے پاس آجاتی تو میں اپنی سنگ دل انا کا گلا گھونٹ ڈالتا۔ مگر اب اس کی خوشی کو میں نے مقدم جانا تھا اس لیے اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکا اور میں نے اپنی جان نکال کر اس کے ہاتھوں میں رکھ دی۔ تم انصاف سے کام لو بیٹا! ٹھنڈے دل سے سوچو۔"

وہ اس وقت منہدم عمارت کی طرح ڈھے سے گئے تھے۔ مگر مجھے ان کی لفاظی سے کوئی غرض نہ تھی۔ تبھی ان کی آواز سن کر پرنیہ لاؤنج میں چلی آئی۔

"پپا! آپ کب آئے؟" وہ حیرت آمیز خوشی سے کہتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔ لیف کلر کاٹن کے سوٹ میں سنہرے بالوں کی لٹیں بکھرائے وہ ملگجی سی لگ رہی تھی۔ میں خاموشی سے بیٹھا باپ بیٹی کا ملاپ دیکھ رہا تھا۔

"یہ... تم نے کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟" انہیں اسے یوں گندے سندے حلیے میں دیکھ کر دکھ ہوا تھا۔

"ارے آپ بیٹھیں تو..."

وہ بہت کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔ اتنی خوشی اتنے دنوں میں پہلی بار اس کے چہرے پر آئی تھی۔

"مما کیسی ہیں۔ انہیں کیوں نہیں لائے؟"

"میں تو بس یونہی ادھر سے گزر رہا تھا تو... تم کیسی ہو؟" انہوں نے بہانہ بناتے ہوئے قدرے رک کر اس سے پوچھا تو اس نے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"ایک دم فرسٹ کلاس... بہت خوش۔"

"آخر آپ کو کیا بے یقینی ہے؟" میں نے رسانیت سے پوچھا تو ان کے ساتھ ساتھ پرنیہ نے بھی چونک کر میری طرف دیکھا مگر میں اس کی آنکھوں سے جھلکتی التجا کو قطعی نظر انداز کر گیا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ سٹپٹا کر میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر مجھے خاموش دیکھ کر خود ہی کہنے لگی۔

"میں بھلا کیسے جا سکتی ہوں۔ پھوپو بھی گھر پر نہیں ہیں۔"

"تمہاری مما تمہیں بہت مس کر رہی ہیں۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔" پتا نہیں انہوں نے بہانہ بنایا یا واقعی میں ایسی بات تھی وہ بے چین ہو اٹھی۔

"کیا ہوا ہے انہیں... فون پر تو میری ان سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔"

میں خاموشی سے یہ سارا ڈراما دیکھ رہا تھا۔

"تابش میں جاؤں پپا کے ساتھ؟" وہ مجھ سے پوچھنے لگی۔ بے حد آس اور مان کے ساتھ... مگر میں نے اسے وہ مقام ہی کب دیا تھا کہ وہ ان چیزوں پر انحصار کر کے مجھ سے کچھ منوا سکتی۔

"کوئی ضرورت نہیں... جس کو ملنا ہو وہ یہیں آکر مل جائے۔" میں بے حد روڈ لہجے میں بولا تو وہ گڑبڑا کر اپنے باپ کو دیکھنے لگی جس کے چہرے پر حد درجہ بے بسی کی چھاپ تھی۔

"لیکن آپ... دیکھیں میں وہاں رکوں گی نہیں... بس مما سے مل کر آجاؤں گی۔ آئی پرامس۔"

وہ بے حد ملتجیانہ انداز میں کہہ رہی تھی مگر میں نے بہت کٹھور پن کا مظاہرہ کیا۔

"وہ چاہتیں تو تم سے ملنے آسکتی تھیں مگر نہیں آئیں۔ ہم بھی گرے پڑے نہیں ہیں کہ منہ اٹھائے چلے جائیں۔"

"اگر آپ نے اس بات کو اتنا فیل کیا ہے تو آپ نہ جائیں میں چلی جاتی ہوں پپا کے ساتھ۔" وہ بہت ثابت قدمی سے مقدمہ لڑ رہی تھی۔

"لگتا ہے کہ تمہیں ماں باپ کے گھر میں رہنے کا بہت شوق ہے۔" میں نے تیوریاں چڑھا کر اسے دیکھا تب لامحالہ ماموں صاحب بول اٹھے۔

"شادی کے بعد تمام رشتے ختم تو نہیں ہو جاتے تابش۔"

"جی ہاں۔" میں استہزائیہ انداز میں بولا۔ "یہ تو کسی کسی میں ہی وصف ہوتا ہے کہ جیتے جی ہی تمام رشتے ختم کر دیتے ہیں۔"

میرے طنز و استہزاء سے بھرپور لہجے کو انہوں نے بہت حوصلے سے برداشت کیا تھا۔

"کافی دن ہو گئے ہیں پرنیہ گھر نہیں گئی اگر ایک آدھ دن کے لیے چلی جائے گی تو کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔"

"ایک آدھ دن کیا... آپ چاہیں تو ساری عمر کے لیے لے جا سکتے ہیں۔ آپ کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور اس کے ارمان بھی پورے ہو جائیں گے۔"

میں اس وقت مطلق العنان (نعوذ باللہ) بنا ہوا تھا۔ مجھے اس بات کا ذرہ بھر بھی احساس نہیں تھا کہ اس قدر تنفر انسان کو زیب نہیں دیتا۔ اس قدر غرور انسان کو ہمیشہ اوندھے منہ گراتا ہے۔ میرے اندر بس ایک ہی پکار مچی تھی۔ انتقام... انتقام... انتقام۔

میری بات نے دونوں کو ششدر کر دیا۔ پھر وہ ایک دم رونے لگی۔

"یہ... تابش کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

میں جانتا تھا کہ اسے زیادہ دکھ اس بھرم کے ٹوٹنے کا ہو رہا ہے جو اس نے اپنے باپ کے سامنے بنا رکھا تھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ خدیجہ کا بیٹا اسی کی فطرت کا ہو گا اس لیے میں نے اسے خالی نہیں لوٹایا تھا۔ اس کی جھولی میں اپنے آنگن کا چاند ڈال دیا تھا مگر اب... میں اپنی جان سے عزیز بیٹی کی اس قدر بے وقعتی نہیں دیکھ سکتا۔" وہ بہت غصے اور تاسف سے کہہ رہے تھے پھر وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میری بیٹی کے لیے میرے گھر میں جگہ کی کمی نہیں اور نہ ہی محبت کی۔"

انہوں نے پرنیہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

"نہیں پپا!" اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"یہاں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے پری! ہم نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔" وہ تھکے ہارے انداز میں بولے تو میں بےزار کن انداز میں سر جھٹک کر رہ گیا۔

"آپ جائیں پپا... میں پھوپو کے ساتھ آؤں گی۔" اس نے آنکھیں رگڑیں۔

"تم کبھی نہیں جاؤ گی۔ یہ میرا گھر ہے اور یہاں وہی ہو گا جو میں چاہوں گا۔"

میں گویا اس کی برداشت کی آخری حد دیکھنا چاہ رہا تھا۔ مجھے ہمیشہ سے لگتا تھا کہ وہ یہاں مجھے پھانسنے کے لیے آئی ہے۔ میں اس کا اصل روپ دیکھنا چاہتا تھا جو اس نے اپنی معصومیت اور بھولپن کے پردے میں چھپا رکھا تھا۔

"پری چلو تم میرے ساتھ۔" اس بار ان کا انداز اٹل تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔

"میں تمہیں اس قدر ذلیل ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"یہ میرا گھر ہے پپا! مجھے یہیں رہنا ہے۔ میں یہ... میں خوش رہوں گی پپا۔" وہ ان سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی۔

"پرنیہ میں کہہ رہا ہوں پاگل مت بنو۔ خود کو ایندھن وہاں بنایا جاتا ہے جہاں سے صلہ ملنے کی توقع ہو۔ بے کار میں خود کو مٹی مت کرو۔" اب کی بار انہوں نے قدرے غصے سے کہا تھا۔

"ہاں... بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں تمہارے والد محترم! تم بے شک جا سکتی ہو۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ خائف سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پپا خدا کے لیے... مجھے یہیں رہنے دیں۔ میں گھر نہیں جاؤں گی۔ آپ جائیں میں پھوپو کے ساتھ آؤں گی مما سے ملنے... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ انہیں تسلی دے رہی تھی مطمئن کر رہی تھی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس کی پیشانی چوم کر چلے گئے اور اس کی برداشت کی حد بس یہی تھی۔ وہ روتے ہوئے چہرہ ہاتھوں میں ڈھانپ کر ڈھے گئی۔

میں حیرت زدہ سا تھا۔ کتنا عجیب سا ردعمل تھا اس کا۔ کیا مل رہا تھا اسے مجھ سے یا اس گھر سے کہ وہ یہاں سے اتنی ذلت سہنے کے باوجود جانے کو راضی نہ تھی۔

کیا دے رہا تھا میں اسے.... فقط بے اعتنائی و بے پروائی۔ طنز اور غصے سے بھری باتیں۔ ہر پل کی ذلت۔

تو پھر ایسا کیا دیکھ لیا اس نے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوئی؟

کیا میں....؟

نہیں..... میں نے کب اسے پیار کی اک نگاہ بھی بخشی تھی کہ وہ اس مقام تک آ پہنچتی.... تو پھر اتنا غیر متوقع فیصلہ کیوں.....؟

میں صوفے میں دھنسا اس پر غیر ارادی طور پر نظریں جمائیں خیالوں میں چک پھیریاں کھا رہا تھا اور اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔

یہ تو سچ تھا کہ اس کے اس عمل نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

♣ ...... ✷ ...... ♣

امی چونکہ نیلو کی شادی میں شرکت کے لیے گئی تھیں جو کہ امی کی دور پار کی بھتیجی یا شاید بھانجی لگتی تھی۔ ان لوگوں کے اصرار پر وہ دو دن کے لیے مزید وہیں رک گئیں۔

گھر کی خاموشی ہر وقت کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ وہ پتا نہیں سارا دن کیسے گزارتی تھی۔ میں کبھی اسے کہیں نہیں لے گیا تھا اور جب سے ماموں صاحب ہو کر گئے تھے اس پر بالکل خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ میں خود عجیب سے الجھاؤ کا شکار تھا۔ کوئی بات رفتہ رفتہ میرے دل و دماغ کو جکڑتی جا رہی تھی مگر میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

ان دنوں فیصل نے نشاء سے ملنے کے لیے میری جان عذاب میں ڈال رکھی تھی۔ میں نے اسے صاف کہہ دیا کہ سیدھے سبھاؤ اپنے والدین کو اس کے گھر بھیجو اور اپنے نام ریزرو کرا لو مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ پہلے ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہے۔ عادل نے بھی اس کی سفارش کی تو مجھے ماننا ہی پڑا۔

میں نک سک سے تیار ہو کر لاؤنج میں داخل ہوا تو لحظہ بھر کو میری نظر اس پر رک سی گئی۔ کاٹن کے میرون اینڈ ڈسٹ لباس میں بالوں کو سلجھاتی وہ مجھے اس پل عجیب سا احساس دلا گئی۔

لیکن ایسا صرف پل بھر کو ہوا کہ میں نے خود کو خلا میں معلق پایا۔

دوسرے ہی لمحے میں خود کو سنبھالتا ہوا آگے بڑھا اور صوفے میں دھنستے ہوئے تپائی پر پڑا فون اپنی طرف کھسکایا۔ نمبر پش کر کے میں نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو.... ہاں نشاء! کیسی ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مگر تم بتاؤ تیار ہو کہ نہیں؟"

میں نے ہنس کر پوچھا۔ اس وقت پرنیہ میرے بالکل سامنے تھی اور اس کے چہرے اور آنکھوں کا تفکر اور تحیر مجھ سے پوشیدہ نہیں تھا۔

"دیکھو میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ڈنر بہت ضروری ہے اب کینسل نہیں ہو سکتا۔ میں نے سیٹ بھی ریزرو کرا لی ہے ہوٹل میں۔" میں نے اسے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا مگر اب وہ آنا کانی کر رہی تھی۔ لیکن میں اس کی سننے پر آمادہ نہیں تھا آخر کو میرے جان جگر کا معاملہ تھا۔

"دیکھو صرف میں اور تم ہوں گے.... او کے!"

پرنیہ کی اڑتی رنگت نے مجھے بہت لطف دیا۔ جو وہ سوچ رہی تھی وہ میں سمجھ رہا تھا۔

"بس پھر ریڈی رہنا۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

میں نے الوداعی جملے کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے صاف لہجے میں پوچھا تھا میں نے ایک اچٹتی نظر کلائی پر بندھی گھڑی پر ڈالی جہاں ابھی سات بجے تھے۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے تمہیں ابھی اپنی سیکرٹری کا عہدہ نہیں دیا۔" میں نے سکون سے کہا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

بالوں کی سنہری آبشار کے درمیان اس کا بالکل
سادگی لیے دمکتا چہرہ مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر نشہ سا
بھرنے لگا ہو۔ میں نے بہت مشکل سے اپنی نگاہ اس پر
سے ہٹائی تھی۔

"میں اس گھر میں آپ کی خاطر رہ رہی ہوں۔
آپ کو بھی فقط میرا ہی رہنا ہوگا۔" اس کا استحقاق بھرا
انداز غیر معمولی تھا۔

"ہنہ.... واہ.... میں اضطرابی انداز میں ہنسا۔

"ویری گڈ چیلنج۔"

"اگر آپ اس وقت گئے تو میں پھوپو سے شکایت
کروں گی۔ میں اس وقت گھر میں تنہا نہیں رہ سکتی۔"
وہ کسی بھی طریقے سے مجھے روکنا چاہ رہی تھی۔

"میں تمہارا پابند نہیں ہوں۔" میں نے
دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

"میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔" وہ پیچھے سے
چلائی تھی۔

"میں چابیاں ساتھ لے کر جا رہا ہوں لاک کر کے
جاؤں گا۔"

میں ہر قیمت پر اس کے طلسم سے بچنا چاہ رہا تھا۔
نشاء کو گھر سے پک کر کے میں نے ہوٹل پہنچایا
جہاں فیصل وقت سے پہلے ہی موجود تھا اور خود عادل
کے گھر آ گیا جہاں سعود اور عاطف بھی موجود تھے۔ وہاں
ہماری کارڈز کی گیم شروع ہو گئی کھانا بھی عادل کی بیوی
کے ہاتھ کا بنا تھا سو دل کھول کر کھایا گیا۔ اس دوران
عاطف بھی میری خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش
میں تھا۔ شیبا واقعی اسے پسند آئی تھی۔

واپسی پر نشاء کو میں نے ہی گھر ڈراپ کرنا تھا۔
راستے بھر میں اسے تنگ کرتا رہا۔

"ویسے آپ بہت اچھے ہیں تابش بھائی۔"
اس نے میری تعریف کی تو میں شرارت سے
بولا۔

"یہ بٹرنگ اگلے ڈنر کے لیے تو نہیں ہو رہی؟"

"جی نہیں۔" اس نے پرزور انداز میں تردید کی۔
پھر سنجیدگی سے کہنے لگی۔

"آپ کی امی جب رشتہ لے کر آئیں تو خالہ یا
انکل میں سے کوئی بھی رضامند نہیں تھا۔ انکل نے
ٹوٹے رشتے کھلے دل سے جوڑ تو لیے تھے مگر اتنا بڑا داؤ
کھیلنے پر وہ راضی نہیں تھے۔ یہ پرنیہ ہی تھی آپ کی
امی کی محبت نے جسے اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔
شی از ویری لکی! اسے اپنے فیصلے پر پچھتانا نہیں پڑا اور
اسے اتنے چاہنے والے لوگ ملے تم اتنی محبت کرنے والا
شوہر ملا۔"

"تو یہ.... پرنیہ کا فیصلہ تھا۔"
مجھے اپنا ہی لہجہ بہت اجنبی سا محسوس ہوا۔

"وہ آپ کی امی سے ہونے والی زیادتی کا ازالہ اس
صورت کرنا چاہتی تھی کہ پھوپو کو اسے پا کر احساس
ہو جائے کہ ان کے بھائی کے نزدیک بہن سے بڑھ کر
کچھ بھی نہیں۔"

میں نشاء کو چھوڑ کر پلٹا تو ٹینس ہو رہا تھا۔ ہر وہ لمحہ
میری آنکھوں کے آگے سے گزر رہا تھا جب میں نے
اسے ذلیل کیا تھا۔

جب میں نے اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو قتل
کیا تھا۔

جب میں نے اسے تنفر سے رد کر دیا تھا۔

جب میں نے اس کی ہر آس اور امید کا خون کر
ڈالا۔

گیٹ کو میں باہر سے تالا لگا کر گیا تھا۔ میں گاڑی
اندر لایا تو مجھے احساس ہوا کہ ساری لائٹس آن تھیں۔
لاؤنج میں آیا تو احساس ہوا کہ واقعی ایسا ہی ہے میں
لاؤنج کا دروازہ لاک کرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا ساتھ
میں لائٹس آف کرتا جا رہا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ
میں نے آوارہ گردی میں خاصی دیر کر دی ہے۔ میں
دروازہ کھول کر بیڈ روم میں داخل ہوا تو وہ نیم دراز تھی
مجھے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ میں نے گہری سانس لے کر مڑ
کر دروازہ بند کیا اور جب پلٹا تو بوکھلا گیا۔

وہ میرے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہاتھوں
میں میرا نیا ریوالور دبا ہوا تھا جس کی نال میری طرف
اٹھی ہوئی تھی۔ (یہ اس کے ہاتھ کیسے لگ گیا؟) میں

چکرا گیا۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے؟" میں نے اسے گھورا مگر اپنی جگہ سے ہلنے کی حماقت نہیں کی کیوں کہ اس نے سیفٹی کیچ ہٹا رکھا تھا اور اس کی انگلی ٹرائیگر پر تھی۔ تب مجھے پہلی مرتبہ ادراک ہوا کہ ریوالور کتنی بدصورت ایجاد ہے خصوصاً جب اس کا رخ آپ کی طرف ہو۔

"یہ ریوالور ہے۔" وہ آرام سے بولی۔

"کیا تم پاگل ہو گئی؟" میں سنسناہٹوں میں گھرا تھا۔

"آپ نے کردیا ہے۔"

"دیکھو... گولی چل جائے گی۔" میں نے اسے سمجھایا تو وہ بڑے سکون سے بولی۔

"گولی چلنے کے لیے ہی ہوتی ہے۔"

"بیوہ ہونا چاہتی ہو؟" میں نے اپنی طرف سے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا مگر وہ یقیناً نفع و نقصان سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

"بیوی تو آپ نے بنایا نہیں... بیوہ ہی سہی۔"

"پاگل پن کی باتیں مت کرو۔" میں اس کی طرف بڑھا تو وہ ریوالور ہلا کر چیخی۔

"ڈونٹ موو! میں گولی چلا دوں گی۔"

اس کی دھمکی اگرچہ خطرناک تھی مگر میں اس پر چھلانگ لگا چکا تھا وہ بستر پر گر گئی۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ میرے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھا میں نے جھٹکے سے ریوالور چھینا تو اس نے مجھے جھٹک کر پیچھے کر دیا۔ میں نے ریوالور کھول کر دیکھا اس میں گولیاں نہیں تھیں چیمبر خالی تھا۔ میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔ اگر میں مرجاتا ہو؟"

"خالی ریوالور سے آج تک کوئی نہیں مرا۔" وہ تنفی سے بولی۔

"ریکارڈ کبھی کبھار ہی بنتے ہیں۔"

میں نے اس پر صورت حال کی سنگینی واضح کرتے ہوئے کہا۔

ایک تو نشاء کی باتیں میری آنکھیں کھول دینے کو کافی تھیں اوپر سے اس کی یہ ادا تو واقعی مجھے لوٹ لے گئی تھی۔

وہ اٹھنے لگی تو میں نے اس کا بازو جکڑ کر اس کی کوشش ناکام بنادی۔

"ایف آئی آر تو کٹوانی ہی پڑے گی۔"

میں نے شرارت سے کہا تو اس نے تند نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں سینے پر ہاتھ رکھ کر چت لیٹ گیا۔

"تابش!" وہ بلا ارادہ و بے اختیار مجھ پر جھکی تھی۔

"آئی ایم ڈیڈ!" اپنے دل کی خواہش پر اسے بانہوں کے حصار میں لے کر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"یہ اس تابش کا اعتراف ہے جو برا تھا۔ اسے میں نے مار کر دفن کر دیا ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا میرے اعتراف نے اس کی آنکھیں جل تھل کر دیں مگر زبان سے اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

"یہ نفرت میرے بس کا روگ نہیں۔ میں ہار گیا۔ ماموں جان سے، تم سے، تمہاری محبت سے۔" میں آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

"امی سچ کہتی تھیں میں بہت ناشکرا ہوں۔ اگر خدا نے ہم پر کوئی مشکل وقت ڈالا تھا تو اب اس کا پھل بھی دے دیا ہے۔ آج ہمیں کوئی دکھ نہیں ہر نعمت اس نے دی ہے پھر میں کیوں کفران نعمت کروں۔"

وہ خاموشی سے روئے جا رہی تھی۔

"تم جو چاہو سزا دے سکتی ہو مجھے۔ میں جانتا ہوں کہ لفظوں سے مداوا نہیں ہو سکتا مگر... میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

میرے واضح اعتراف شکست پر اس نے کچھ کہے بغیر خود کو میری پناہ میں دے دیا تو میرے اندر ٹھنڈا میٹھا سکون اترنے لگا۔ میں چشم تصور سے دیکھ سکتا ہوں کہ امی کس قدر خوش ہوں گی۔ راز کی بات یہ ہے کہ مجھے بھی پرنیہ کے ساتھ "مل بیٹھنے" کی آرزو نے شکست دی ہے اور میں خوش ہوں کہ خدا نے مجھے بھٹکنے سے بچالیا ہے۔